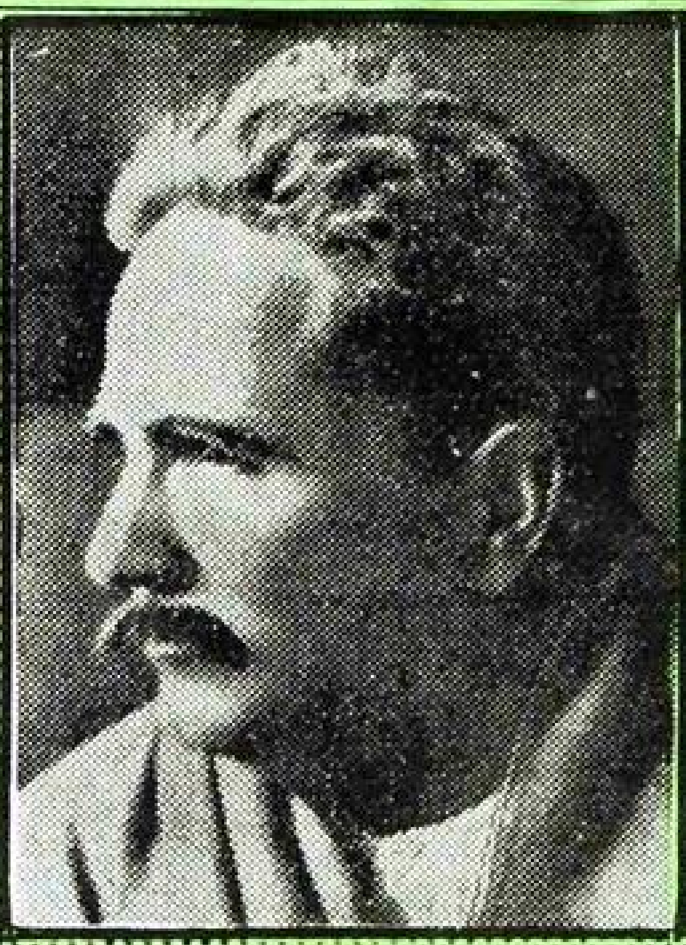

ترجمانِ رموزِ بیخودی

پروفیسر غُلام دستگیر شہابؔ

ترجمانِ رموزِ بیخودی

تفہیمی ترجمہ

پروفیسر غلام دستگیر شہاب
سابق صدر شعبۂ اردو فارسی، پونہ یونیورسٹی

© جملہ حقوق بحق مہر النساء شہاب محفوظ

نام کتاب — ترجمانِ رموزِ بیخودی
اشاعت — اگست ۱۹۹۱ء
تعداد — ایک ہزار
کتابت — اکبر مرزا آرٹسٹ مالیگاؤں
سرورق — آصف اقبال مرزا
طباعت — پربھات پریس، گل ٹیکری، پونہ
ناشر — ظفر اقبال، ۲/۲ شانگریلا اپارٹمنٹ
بنڈ گارڈن روڈ، پونہ ۱
قیمت — ساٹھ روپے

ملنے کے پتے

- سلیقہ کتاب گھر ۱۵۶۰/۱۶، جان محمد اسٹریٹ، پونہ — ۴۱۱۰۰۱
- سویرا بک ڈپو، محمد علی روڈ، مالیگاؤں۔ ۴۲۳۲۰۳ (ناسک)

اس کتاب کی اشاعت میں مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی کا جزوی مالی تعاون شامل ہے۔

فہرست

ترجمانِ رموزِ بیخودی

۱۔ پیش کش بحضور ملتِ اسلامیہ ۷
۲۔ فرد و ملت کا ربط ۱۷
۳۔ تربیتِ ملت اور نبوت ۲۳
۴۔ ملتِ اسلامیہ کے اساسی ارکان : رکنِ اول ۔ توحید ۳۱
۵۔ یاس حزن اور خوف ۳۹
۶۔ تیر و شمشیر کا مکالمہ ۴۷
۷۔ شہنشاہِ عالمگیر اور شیر ۴۹
۸۔ رکن دوم ۔ رسالتؐ ۵۵
۹۔ رسالتِ محمدیہؐ کا نصب العین ۶۳
۱۰۔ اسلامی اخوت، ابو عبید اور جابان ۶۹
۱۱۔ اسلامی مساوات، سلطان مراد اور معمار ۷۱
۱۲۔ اسلامی حریت، حادثۂ کربلا ۷۵

۱۳۔ ملتِ اسلامیہ کی آفاقیت ۸۳

۱۴۔ وطن اور ملت ۹۳

۱۵۔ ملتِ اسلامیہ کی ابدیت ۹۷

۱۶۔ نظامِ ملت اور قرآن ۱۰۷

۱۷۔ اجتہاد و تقلید ۱۱۵

۱۸۔ اِتباعِ شریعت اور پختگیٔ سیرت ۱۲۱

۱۹۔ اسوۂ حسنہ کی پابندی ۱۳۱

۲۰۔ ملتِ اسلامیہ اور بیت الحرام ۱۳۹

۲۱۔ حفاظت و اشاعتِ توحید ۱۴۹

۲۲۔ نظامِ عالم کی تسخیر ۱۶۱

۲۳۔ قومی تاریخ کا مقام ۱۷۱

۲۴۔ امومت ۱۷۹

۲۵۔ سیّدۃ النساء حضرت فاطمہؓ ۱۸۷

۲۶۔ مثنوی کے مطالب کا خلاصہ : تفسیر سورۂ اخلاص
قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۱۹۳

۲۷۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۱۹۹

۲۸۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۲۱۱

۲۹۔ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۲۱۷

۳۰۔ عرضِ حالِ مصنّف بحضور رحمتِ عالمؐ ۲۲۳

گاہے گاہے باز خواں ......!

ڈاکٹر امانت ایم اے، پی. ایچ ڈی
سابق صدر شعبۂ اُردو فارسی
واڈیا کالج و پونہ یونیورسٹی ——— پونہ

پچاس سال سے زائد کا عرصہ ہوا۔ راقم وطن کے میونسپل ہائی اسکول میں زیرِ تعلیم تھا۔ منجھلے بھائی صاحب پونہ سے گرمی کی تعطیلات میں الولہ لوٹے تو اپنے ساتھ پروفیسر غلام دستگیر شہابؔ کی بیاضِ حافظؔ لے آئے۔ پروفیسر صاحب، بھائی صاحب کے گہرے دوست تھے اور ہم جماعت بھی رہ چکے تھے۔ بیاض کے بائیں صفحے پر حافظؔ کی ردیف الف کی غزلیں اور سامنے کے صفحے پر انگریزی میں اشعار کا ترجمہ شہابؔ صاحب کے قلم سے نہایت خوشنما خط میں سیاہ روشنائی سے لکھا ہوا تھا اور جگہ جگہ ذیلی حاشیوں میں تلمیحات پر مختصر نوٹ درج تھے۔ بیاضِ حافظؔ، شہابؔ صاحب کے 'ترجمانہ رجحان' کی شاہد تھی۔ کچھ عرصے میری تحویل میں رہنے کے بعد بیاض یکایک غائب ہوگئی۔ میں اس سے حافظؔ کی غزل "اگر آں ترکِ شیرازی ......" کی حد تک استفادہ کرسکا، جو ہمارے میٹرک کے فارسی نصاب میں شامل تھی۔ کوئی حافظؔ کا شیدائی اُسے لے اُڑا۔

شہابؔ صاحب جب تک وطن میں رہے اپنی خوش الحانی اور قرأت کی داد پاتے رہے۔ مدرسۂ عثمانیہ کی مالی اعانت کی خاطر کھیلے جانے والے آغا حشرؔ کے ڈراموں میں مرحوم خاص رول ادا کرتے اور تعلیمی جلسوں میں اقبالؔ کی نظم 'نالۂ یتیم' اپنی پُرسوز آواز میں کچھ اِس انداز سے سُناتے کہ سامعین پر رقّت طاری ہوجاتی اور مدرسے کے لیے چندے کی بارش ہونے لگتی!

بہت کم حضرات کو معلوم ہے کہ شہابؔ صاحب واڈیا کالج کی 'سالانہ سوشل' کے روحِ رواں تھے۔ جونہی سوشل قریب آتی لکچر مجھے لینے پڑتے یا پھر اُردو فارسی کے طلبہ کو

دو تین ہفتوں کی چھٹی دے دی جاتی اور شہاب صاحب بھوک اور پیاس کی پروا کیے بغیر سوشل کی تیاری میں لگ جاتے۔ یک بابی ڈرامے، سلہوٹ، ٹیبلو خود لکھتے یا مراٹھی اور انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کرتے اور کانٹ چھانٹ کر کے کالج کے اسٹیج پر پیش کرنے کے قابل بناتے۔ ان کے دوست احباب اور شاگرد ہردم انھیں گھیرے رہتے۔ ان میں پروفیسر بھنڈارکر، ڈاکٹر سریش ناڈکرنی، پروفیسر شیخ چاند، امان اختر اور یعقوب سعید خصوصاً قابلِ ذکر ہیں۔

کالج کی ملازمت سے وظیفہ یاب ہونے پر شہاب بڑی یکسوئی کے ساتھ منظوم و منثور تراجم کی طرف متوجہ ہو گئے۔ 'دو شہروں کی کہانی' اور ٹھور رنگیت کار کے بعد آپ نے رباعیاتِ عمر خیام کا رباعی ہی کی بحروں میں منظوم ترجمہ 'بادۂ خیام' کے نام سے شائع کیا۔ 'ترجمانِ اسرارِ خودی' آپ کے انتقال کے بعد منظرِ عام پر آئی اور اب اقبال کی 'رموزِ بیخودی' کا تفہیمی ترجمہ 'ترجمانِ رموزِ بیخودی' کے نام سے زیورِ طبع سے مزین ہو کر آپ کے ہاتھوں میں پہنچ رہا ہے۔

یہ ترجمہ سلیس، رواں، جامع، فاضلانہ اور ہر لحاظ سے مکمل ہے اور اس میں ایک ایسے باکمال مترجم کی شخصیت جھلکتی ہے، جسے اُردو اور فارسی دونوں زبانوں پر یکساں عبور حاصل ہے۔ اسے اُردو داں طبقے کے لیے نعمتِ غیر مترقبہ کہنا بیجا نہ ہوگا۔

امانت

پونہ ــــــ اگست ۱۹۹۱ء

اظہارِ تشکر

پروفیسر غلام دستگیر شہاب مرحوم کی خواہش تھی کہ اقبال کے تمام فارسی شہ پاروں کو اردو میں منتقل کریں۔ انھوں نے 'اسرارِ خودی' اور 'رموزِ بیخودی' کے تفہیمی تراجم اور 'لالۂ طور' کے منظوم ترجمے کے مسودے تیار کرلیے تھے۔ 'اسرارِ خودی' کا تفہیمی ترجمہ ان کے انتقال کے فوراً بعد شائع ہوا۔

'رموزِ بیخودی' کے اس تفہیمی ترجمے کی اشاعت میں مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی کے جملہ اراکین، ڈاکٹر امانت شیخ، جناب حکیم رازی' جناب امان اختر، جناب اکبر مرزا، جناب رشید اعجاز' اور جناب بشیر احمد انصاری کا خصوصی تعاون شامل ہے۔ مجھے اس کا اعتراف ہے کہ ان کی توجہ اور دلچسپی کے بغیر اس شہ پارے کی اشاعت ممکن نہ تھی۔ میں تمام معاونین کا تہہ دل سے مشکور و ممنون ہوں۔

ناشر

بارگاہِ رسالتؐ میں

تو وہ آفتابِ کمال ہے
تو خدا کا عکسِ جمال ہے
تو وہ شاہکارِ خصال ہے
کہ تو آپ اپنی مثال ہے

ھو اللہ

جہد کن در بیخودی خود را بیاب

زود تر واللہ اعلم بِالصّواب

(مولانا رومؒ)

بیخودی کے بحر میں غوطہ لگا

جہد کر گو ہر صفت اور خود کو پا

شہابؔ

پیش کش بحضورِ ملّتِ اسلامیہ

منکر نتواں گشت اگر دم زنم از عشق

ایں نشّہ بمن نیست اگر باد گرے ہست (عرفی)

اے ترا حق خاتمِ اقوام کرد
بر تو ہر آغاز را انجام کرد[1]

اے مثالِ انبیا پاکانِ تو
ہمگر دلہا جگر چاکانِ تو

اے نظر بر حُسنِ ترسا زادۂ
اے ز راہِ کعبہ دور افتادۂ

اے فلک مشتِ غبارِ کوئے تو
"اے تماشا گاہِ عالم روئے تو"

ہمچو موجِ آتش تہ پا میروی
"تو کجا بہرِ تماشا میروی"

---

[1] بے خبر تو جوہرِ آئینۂ ایّام ہے
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ﴿ (آل عمران : ۱۱۰)

اب دنیا میں وہ بہترین گروہ (قوم) تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے ۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو ۔

پیش کش بحضورِ ملتِ اسلامیہ

★ اگر میں عشق کا دم بھرتا ہوں، اس کی تعریف کرتا ہوں تو اس سے انکار نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ اگرچہ میں عشق کے جذبے سے سرشار نہیں ہوں، لیکن دوسرے تو ہیں۔ لہٰذا منکرِ عشق ہونا مناسب نہیں ہے۔

★ اے میری ملت! خدا نے تجھے قوموں کی خاتم یعنی آخری قوم بنایا ہے اور ہر آغاز کا تجھ پر خاتمہ کیا ہے۔ (اس سے پہلے ہر قوم کے لیے نبی آتا تھا، لیکن حضورِ اکرمؐ آخری پیغمبر ہیں اور تو آخری قوم)[1]

★ اے ملت! تیرے پاکباز علماء گذشتہ اقوام کے نبیوں کے مانند ہیں۔ ان کے جگر عشقِ الٰہی میں چاک ہیں۔ وہ خلقِ خدا سے پیار کرتے ہیں اور ان کے دلوں کے زخم رفو کرتے ہیں[2]۔

★ لیکن اے ملت! تیری نظریں تو نصرانیوں اور مجوسیوں کے حسن پر مائل ہیں۔ (تو مغربی تہذیب کی دلدادہ ہے) لہٰذا تو کعبے کی راہ سے دور جا پڑی ہے[3]۔

★ اے ملت! آسمان تیرے کوچے کی ایک مشتِ غبار ہے۔ تو اس قدر حسین ہے کہ ایک عالم کی نگاہیں تیرے رُخ پر جمی ہوئی ہیں۔

★ لیکن یہ تو ایک بیقرار موج کی طرح تماشا دیکھنے کہاں جا رہی ہے؟۔ (سعدی کا شعر ہے "اے تماشا گاہِ عالم روئے تو تو کجا بہرِ تماشا می روی" اقبال نے اس پر تضمین کی ہے۔)

ا۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۞ (البقرہ: ۱۴۳)۔

اور اسی طرح ہم نے تمھیں ایک "اُمتِ وسط" بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ رہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔

۲۔ حدیث: عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ یعنی میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کے مانند ہیں۔

۳۔ ترسم کہ بہ کعبہ نرسی اعرابی — کین راہ کہ میروی بہ ترکستانست

رمزِ سوز آموز از پروانہ　　　در شرر تعمیر کن کاشانہ

طرحِ عشق انداز اندر جانِ خویش　　　تازہ کن با مصطفیٰؐ پیمانِ خویش [1]

خاطرم از صحبتِ ترسا گرفت　　　تا نقابِ روئے تو بالا گرفت

ہم نوا از جلوۂ اغیار گفت　　　داستانِ گیسو و رخسار گفت

بر درِ ساقی جبیں فرسود او　　　قصۂ مُغزادگاں پیمود او

من شہیدِ تیغِ ابروئے توام　　　خاکم و آسودۂ کوئے توام

از ستایش گستری بالاترم　　　پیشِ ہر دیواں فرو ناید سرم

از سخن آئینہ سازم کردہ اند　　　وز سکندر بے نیازم کردہ اند

بارِ احساں بر نتابد گردنم　　　در گلستاں غنچہ گردد دامنم

سخت کوشم مثلِ خنجر در جہاں　　　آبِ خود می گیرم از سنگِ گراں

---

[1] بہ مصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست　　　اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں　　　یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

★ تجھے چاہیے کہ پروانے سے عشق کے سوز کا راز معلوم کرے اور شراروں کے درمیان اپنا کاشانہ بنائے۔

★ اپنی جان میں عشق کا سوز و گداز پیدا کر اور حضور اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وفاداری کا عہد و پیمان تازہ کر۔

★ اے ملت! جب تیرے چہرے سے نقاب اٹھی اور میں نے تیرا روئے زیبا دیکھا تو میرے دل نے مجوسی اور نصرانی حسینوں کی محبت ترک کر دی[1]۔

★ لیکن میرے ہمعصر شعرا کا یہ حال رہا ہے کہ وہ غیروں کے حسن و جمال کی ثنا خوانی کرتے رہے اور ان کے گیسو اور لب و رخسار کی مدح سرائی کرتے رہے۔

★ وہ ساقی کی دہلیز پر جبیں سائی کرتے رہے اور ترکانِ شیرازی (امردوں) کی محبت کے گیت گاتے رہے اور اس طرح حقائق سے منہ موڑ کر رومان کی خواب آور فضا میں کھوئے رہے۔

★ لیکن اے میری ملت! میں تو تیرے تیغِ ابرو کا شہید ہوں۔ میں وہ مشتِ خاک ہوں جسے تیرے کوچے میں دلی سکون اور آسودگی نصیب ہوئی ہے۔

★ میں قصیدہ نگار شاعروں کی طرح امیروں اور بادشاہوں کی مدح سرائی نہیں کرتا۔ میں ہر قصر و ایوان کی دہلیز پر سرِ نیاز نہیں جھکاتا۔ میرا مقام ان سے بہت اونچا ہے۔

★ مشیت نے مجھے شعر و سخن کا آئینہ گر بنایا ہے۔ مجھے شاعری کی دولت سے نوازا ہے اور اس طرح سکندر جیسے بادشاہوں سے بے نیاز کر دیا ہے[2]۔

★ لہٰذا کسی ممدوح کے احسان کے بوجھ تلے میری گردن نہیں جھکتی۔ میں گلستانِ جہاں میں کسی کے آگے (پھولوں کی طرح) اپنا دامن نہیں پھیلاتا بلکہ غنچہ کی طرح اسے سمیٹ لیتا ہوں[3]۔

★ سخت کوشی میرا شعار ہے۔ جس طرح تیغ و خنجر کو سان پر گھسنے اور رگڑنے سے اس میں آب و تاب پیدا ہوتی ہے اسی طرح سخت کوشی سے میری زندگی کو وقار حاصل ہوتا ہے۔

---

[1] جب مجھے اسلامی حقائق کا علم ہوا تو باقی تمام نظریات ہیچ نظر آنے لگے۔

[2] سکندر اعظم کو آئینہ کا موجد کہا جاتا ہے۔ لہٰذا سکندر کی تلمیح استعمال کی گئی ہے۔

[3] تنک بخشی کو استغنائے پیغامِ خجالت دے　　نہ رہ منت کشِ شبنم نگوں جام و سبو کر لے

گرچہ بحرم، موجِ من بیتاب نیست | بر کفِ من کاسۂ گرداب نیست
پردۂ رنگم، شمیمے نیستم | صیدِ ہر موجِ نسیمے نیستم
در شرار آبادِ ہستی اخگرم | خلعتے بخشد مرا خاکسترم[1]
بر درت جانم نیاز آوردہ است | ہدیۂ سوز و گداز آوردہ است
ز آسمانِ آبگوں یم می چکد | بر دلِ گرمم دمادم می چکد
من ز جُو باریکتر می سازمش | تا بہ صحنِ گلشنت اندازمش
زانکہ تو محبوبِ یارِ ماستی | ہمچو دل اندر کنارِ ماستی
عشق تا طرحِ فغاں در سینہ ریخت | آتشِ او از دلم آئینہ ریخت
مثلِ گُل از ہم شگافم سینہ را | پیشِ تو آویزم ایں آئینہ را
تا نگاہے افگنی بر روئے خویش | می شوی زنجیریٔ گیسوئے خویش

---

[1] فریب نظر ہے سکون و ثبات | تڑپتا ہے ہر ذرّۂ کائنات!
دمادم رواں ہے یمِ زندگی | ہر اک شے سے پیدا رمِ زندگی
اسی سے ہوئی ہے بدن کی نمود | کہ شعلے میں پوشیدہ ہے موجِ دود

★ اگرچہ میں سمندر ہوں لیکن میری موجیں بیقرار نہیں ہیں؛ لہٰذا میرے ہاتھ میں بھنور کا کاسہ نہیں ہے۔ (میرے دل میں حرص و آز کی موجیں نہیں اٹھتی ہیں لہٰذا میرے ہاتھ میں کاسۂ گدائی نہیں ہے)

★ میں رنگ کا پردہ ہوں (برگِ گل کا رنگ ہوں) میں کوئی خوشبو نہیں ہوں؛ جسے نسیم کا ہر جھونکا صید کرکے اپنے ساتھ لے اُڑے۔

★ عالمِ ہستی میں جو شراروں کی بستی ہے میں بھی اک شرارہ ہوں اور میری خاک میری پوشاک ہے۔ ہر فرد ایک شرارہ ہے۔ (خودی، روح پیکرِ نور ہے) جس نے جسم کا لباس پہن رکھا ہے[1]۔

★ اے ملت، دیکھ کہ تیرے دروازے پر میری جان نذرانہ لے کر آئی ہے۔ یہ دراصل اس کے شب و روز کا سوز و گداز ہے جو تجھے تحفے کے طور پر پیش کرنا چاہتی ہے۔

★ میرے دلِ پُرسوز پر نیلگوں آسمان سے فیضان کے سمندر مسلسل برستے رہتے ہیں۔ مجھ پر عالمِ بالا سے اسرارِ الٰہی اِلقا ہوتے رہتے ہیں[2]۔

★ میں ان کو چھوٹی چھوٹی نہروں اور نالیوں کی شکل دے کر ان سے تیرے گلشن کی آبیاری کرتا ہوں۔ (میں ان اسرارِ حیات کو جو میرے دل پر نازل ہوتے ہیں ملت کی تعمیر و ترقی کے کام میں لاتا ہوں۔)

★ چونکہ تو ہمارے پیارے رسول ؐ کی چہیتی ہے، ہمارے محبوب کی محبوب ہے۔ اس لیے ہم نے تجھے اپنے دل کی طرح اپنے سینے سے لگا رکھا ہے۔

★ جب سے عشق نے میرے سینے میں آہ و فغاں کا ہنگامہ برپا کیا ہے، اس کی آنچ نے میرے دل کو آئینہ بنا ڈالا ہے۔

★ اب میں پھول کی طرح اپنا سینہ چیر کر اس آئینۂ دل کو تیرے روبرو پیش کر رہا ہوں۔

★ تاکہ تو اس میں اپنے رُخِ زیبا کا نظارہ کرے اور اپنے گیسو کی زنجیر کی اسیر ہو جائے؛ تجھے اپنے اسلاف کے کارناموں، ان کی عظمت کا پتہ چلے اور تو ان کے حصول کے لیے جدوجہد کرے۔

---

[1] ارتباطِ حرف و معنی؟ اختلاطِ جان و تن — جس طرح اخگر قبا پوش اپنی خاکستر سے ہے

[2] آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں — غالبؔ صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

برقِ ایمن مرے سینے میں پڑی روتی ہے — دیکھنے والی ہے جو آنکھ کہاں سوتی ہے

باز خوانم قصۂ پارینہ ات

تازہ سازم داغہائے سینہ ات

از پئے قوم ز خود نامحرمے / خواستم از حق حیاتِ محکمے

در سکوتِ نیم شب نالاں بدم / عالم اندر خواب و من گریاں بدم

جانم از صبر و سکوں محروم بود / وردِ من یَا حَیُّ یَا قَیُّوم بود

آرزوئے داشتم خوں کردمش / تا ز راہِ دیدہ بیروں کردمش

سوختن چوں لالہ پیہم تا کجا / از سحر دریوزِ شبنم تا کجا

اشکِ خود بر خویش میریزم چو شمع / با شبِ یلدا در آویزم چو شمع

جلوہ را افزودم و خود کاستم / دیگراں را محفلے آراستم

یک نفس فرصت ز سوزِ سینہ نیست / ہفتہ ام شرمندۂ آدینہ نیست

جانم اندر پیکرِ فرسودۂ / جلوۂ آہے است گرد آلودۂ

چوں مرا صبحِ ازل حق آفرید / نالہ در ابریشمِ عودم تپید

★ میں تیرا پرانا قصہ، تیری پرانی داستان تجھے پھر سے سُنانا چاہتا ہوں تاکہ تیرے سینے کے داغ از سرِ نو تازہ ہو جائیں۔ (تاکہ تجھ میں اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنے اور اپنی عظمتِ رفتہ کے حصول کا جذبہ پیدا ہو جائے۔)

★ میں نے اپنی قوم کے لیے جو خود سے بیگانہ ہو چکی ہے۔ (جو خود سے نامحرم ہے) اور اپنی حقیقت کو بُھلا چکی ہے، خدا کی بارگاہ میں مستقل اور پائندہ زندگی کی دُعائیں مانگی ہیں۔

★ آدھی رات گئے جب ہر طرف سناٹا چھا جاتا ہے تو میں نالہ و فریاد کرتا۔ جب سارا عالم محوِ خواب ہوتا تو میں آہ و زاری کرتا اور آنسو بہاتا۔

★ میری جان صبر و سکون کھو چکی تھی۔ نہ دل کو چین تھا نہ جان کو قرار؛ اور "یا حَیّ یا قیوم" کا وظیفہ وردِ زبان تھا۔ (اور میں دائم و قائم خدا سے اپنی قوم کی زندگی و پائندگی کی دُعا مانگتا۔)

★ میں نے اپنے دل کی آرزو کا خون کیا اور اسے سُرخ آنسوؤں کی شکل میں اپنی آنکھوں کی راہ سے بہایا۔ (میری دلی آرزو خون بن کر میری آنکھوں سے بہا کی۔)

★ آخر انسان کب تک (اپنی راتیں) لالے کی طرح غم کی آگ میں جلتے ہوئے گزارے گا اور صبح شبنم کی بھیک مانگتا رہے گا؛ جو اس کی آگ کو بجھا نہیں سکتی۔ اس شبِ غم کی سحر کب ہو گی۔

★ لہٰذا میں شمع کی طرح آنسو بہا رہا ہوں۔ (سر سے پاؤں تک آنسوؤں میں تر ہوں۔) میں شمع کی طرح ظلمتِ شب سے لڑ رہا ہوں۔ (تاکہ ظلموں کا خاتمہ ہو اور زندگی کی سحر نمودار ہو۔)

★ میں خود جلتا گھلتا اور گھٹتا رہا اور روشنی میں اضافہ کرتا رہا، اور اس طرح دوسروں کی محفلوں کو سجاتا اور ان کی رونق بڑھاتا رہا۔

★ مجھے ایک لمحے کے لیے بھی اپنے سینے کے سوز سے فرصت نہیں۔ میرے ہفتے میں جمعہ یعنی تعطیل کا دن ہے ہی نہیں۔ (میں صبح و شام جگر سوزی اور جد و جہد کر رہا ہوں۔)

★ میرے نحیف و زار (فرسودہ) جسم میں جان کی یہ حالت ہے گویا گرد و غبار میں اٹی ہوئی آہ (کا کوندا) ہو۔

★ جب خدائے پاک نے روزِ ازل مجھے پیدا کیا تو (میرے دل میں قوم کے عشق کا جذبہ پیدا کیا اور) میرے سازِ حیات کے تاروں میں (عشق کے) نالے تڑپنے لگے۔

نالۂ افشا گرِ اسرارِ عشق　　خونبہائے حسرتِ گفتارِ عشق

فطرتِ آتش دہد خاشاک را　　شوخیٔ پروانہ بخشد خاک را

عشق را داغے مثالِ لالہ بس　　در گریبانش گُلِ یک نالہ بس

من ہمیں یک گُل بہ دستارت زنم　　محشرے بر خواب سرشارت زنم

تا ز خاکت لالہ زار آید پدید

از دمت بادِ بہار آید پدید

★ وہ نالے جو عشق کے بھیدوں کو ظاہر کر دیتے ہیں اور جنھیں عشق کی حسرتِ گفتار کا خونبہا (عوض بدل) کہنا چاہیے۔ (جب عشق اظہارِ بیان سے قاصر ہوتا ہے تو نالے اسے ظاہر کر دیتے ہیں)

★ وہ نالے جن میں یہ قدرت ہوتی ہے کہ خس و خاشاک کو شعلوں میں بدل دیتے ہیں اور خاک کو پروانہ کی شوخی عطا کرتے ہیں۔

★ عشق کے لیے لالے کی طرح ایک داغ کافی ہوتا ہے۔ اس کے گریبان میں نالے کا ایک پھول بھی ہو تو وہ اس کے لیے سامانِ حیات بن جاتا ہے۔

★ اے میری ملت! میں یہی پھول تیرے دستار میں لگا رہا ہوں۔ تو خوابِ غفلت میں سرشار ہے۔ لہٰذا میں آتشیں نغموں (نالوں) سے حشر برپا کر رہا ہوں تاکہ تو بیدار ہو جائے۔

★ تاکہ تیری خاک سے لالہ زار پیدا ہوں اور تیری سانسوں سے بادِ بہاری کے جھونکے آنے لگیں (ملتِ اسلامیہ کے ہر فرد کا دل (لالے کی طرح) عشق کے جذبے سے سرشار ہو جائے اور اس طرح یہ ملت اپنے جہد و عمل سے زندگی کو پُر بہار بنا ڈالے۔)

بسمِ اللہ

رموزِ بیخودی

تمہید

در معنی ربطِ فرد و ملّت

فرد را ربطِ جماعت رحمت است　　جوہرِ او را کمال از ملّت است

تا توانی با جماعت یار باش　　رونقِ ہنگامۂ احرار باش

حرزِ جاں کن گفتۂ خیر البشرؐ　　ہست شیطاں از جماعت دورتر

فرد و قوم آئینۂ یک دیگر اند　　سلک و گوہر کہکشان و اختر اند[1]

فرد می گیرد ز ملّت احترام　　ملّت از افراد می یابد نظام[2]

فرد تا اندر جماعت گم شود　　قطرۂ وسعت طلب قلزم شود

مایہ دارِ سیرتِ دیرینۂ او　　رفتہ و آئندہ را آئینہ او

---

۱ حضورِ انور صلعم کا ارشاد ہے: المومن مراۃ المومن یعنی ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے۔

۲ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا : اور مضبوط پکڑو اللہ کی رسی اور پھوٹ مت ڈالو۔ (آل عمران : ۱۰۳)

بسم اللہ

رموزِ بیخودی

تمہید

فرد و ملّت کے باہمی ربط کے بیان میں

★ جماعت سے ربط و تعلق قائم رکھنا فرد کے حق میں رحمت ہے۔ کیوں کہ ملت ہی کے طفیل اس کے جوہر کو کمال حاصل ہوتا ہے[1]۔

★ جہاں تک ہو سکے جماعت سے تعلق قائم رکھ اور آزاد اور زندہ دل لوگوں کے ہنگاموں کی رونق بن۔ (یعنی ان کی سرگرمیوں اور کارگزاریوں میں شریک ہو۔)

★ سرورِ کائنات حضرت محمدؐ صلعم کے اس قول کو حرزِ جاں بنا کہ شیطان جماعت سے دور رہتا ہے۔

★ فرد اور قوم ایک دوسرے کے آئینہ دار ہیں۔ ان کا باہمی ربط ایسا ہوتا ہے جیسے ہار کے موتی اور ڈور، یا کہکشاں اور اس کے تارے۔

★ فرد کو ملّت (جماعت) ہی سے عزّت اور وقار حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح ملت کا نظام بھی افراد ہی سے قائم رہتا ہے۔

★ جب فرد جماعت میں گُم ہو جاتا ہے تو وہ قطرے سے ایک وسیع سمندر بن جاتا ہے[2]۔ (فرد کا جماعت میں گم ہو جانا خودی کو سوخت کرنا نہیں بلکہ قطرے کا قلزم بننا ہے)

★ وہ جماعت کی (دیرینہ) سیرت اور تہذیبی روایات کا وارث و مالک ہوتا ہے اور ماضی و مستقبل کا آئینہ بن جاتا ہے۔

---

[1] فرد قائم ربط ملّت سے ہے تنہا کچھ نہیں موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

[2] حدیث شریف: اتبعوا السواد الاعظم فانّہٗ من شذّ شذّ فی النّار
اے مسلمانو! سوادِ اعظم (جماعت) کی اِتباع کرو۔ جو اس سے کٹ جائے گا دوزخ میں جا پڑے گا۔

وصلِ استقبال و ماضی ذاتِ او — چون ابد لا انتہا اوقاتِ او

در دلش ذوقِ نمو از ملت است — احتسابِ کارِ او از ملت است

پیکرش از قوم و ہم جانش ز قوم — ظاہرش از قوم و پنہانش ز قوم

در زبانِ قوم گویا می شود — بر رہِ اسلاف پویا می شود

پختہ تر از گرمیٔ صحبت شود — تا بمعنی فرد ہم ملت شود

وحدتِ او مستقیم از کثرت است — کثرت اندر وحدتِ او وحدت است

لفظ چون از بیتِ خود بیرون نشست — گوہرِ مضموں بجیبِ خود شکست

برگِ سبزی کز نہالِ خویش ریخت — از بہاراں تارِ امیدش گسیخت[1]

ہر کہ آب از زمزمِ ملت نخورد — شعلہ ہائے نغمہ در عودش فسرد

فرد تنہا از مقاصد غافل است — قوتش آشفتگی را مائل است

قوم با ضبط آشنا گرداندش — نرم رو مثلِ صبا گرداندش

---

[1] ملت کے ساتھ رابطۂ استوار رکھ — پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ

★ اس کی ذات میں ماضی اور مستقبل کا اتصال ہوتا ہے اور اس کے شب و روز ابد کی طرح "لاانتہا" بن جاتے ہیں۔ (یعنی وہ ابدی زندگی کا مالک بن جاتا ہے۔)

★ ملت کے طفیل اس کے دل میں ترقی و تکمیل کا ذوق پیدا ہوتا ہے اور ملت ہی کے ذریعے اس کے کاموں کا احتساب اور اعمال کی جانچ پڑتال ہوتی ہے۔

★ اس کا جسم اور اس کی جان دونوں قوم و ملت ہی کے طفیل ہیں۔ اس کا ظاہر و باطن یعنی جسم و جان قوم کے رہین ملت ہیں؛ کیونکہ قوم ہی ان کو پروان چڑھاتی ہے۔

★ وہ قوم کی زبان سے گفتگو کرتا ہے اور اسلاف کے راستے پر چلتا ہے (یعنی اسلاف کی تہذیبی روایات پر کاربند ہوتا ہے۔)

★ وہ قوم کی "گرمیٔ صحبت" (یعنی اجتماعی ماحول کی آنچ) میں تپ کر پختہ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ فرد ملت بن جاتا ہے۔ (وہ ملت کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔)

★ اس کی وحدت کثرت (ملت) سے استقامت حاصل کرتی ہے اور کثرت اس کی وحدت میں جذب ہو کر اجتماعی وحدت بن جاتی ہے۔ (وہ وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت کا مظہر ہوتا ہے۔)

★ جب کوئی لفظ شعر سے جدا ہو جاتا ہے تو شعر کے معنی و مضمون سے اس کا رشتہ کٹ جاتا ہے اور اس کی کیفیت اس موتی کی سی ہوتی ہے (جو ہار سے جدا ہو کر) پاش پاش ہو جائے۔

★ جب کوئی سبز پتا اپنے پیڑ کی شاخ سے ٹوٹ کر گرتا ہے تو بہاروں سے اس (کی اُمید) کا رشتہ ہمیشہ کے لیے منقطع ہو جاتا ہے[1]۔

★ جو شخص اپنی ملت سے آب و رنگ (آبِ زمزم) حاصل نہیں کرتا اس کے نغموں کا شعلہ اس کے ساز میں بجھ کر رہ جاتا ہے۔

★ تنہا فرد اپنے مقاصد اور نصب العین سے غافل ہو جاتا ہے اور اس کی قوتیں آشفتہ اور پراگندہ ہونے لگتی ہیں۔

★ قوم اس کو نظم و ضبط سکھلاتی ہے اور بادِ صبا کی طرح نرم رَو اور تیز گام بناتی ہے۔

---

[1] وہ شخص جو تنہا دکھائی دیتا ہے   بریدہ شاخ کا پتا دکھائی دیتا ہے

پا بہ گل مانندِ شمشادش کند　　دست و پا بند و کہ آزادش کند

چون اسیرِ حلقۂ آئیں شود

آہوئے رم خوئے او تمکیں شود

تو خودی از بیخودی نشناختی　　خویش را اندر گماں انداختی

جوہرِ نوریست اندر خاکِ تو　　یک شعاعش جلوۂ ادراکِ تو

عیشت از عیشش غمِ تو از غمش　　زندۂ از انقلابِ ہر دمش

واحدست و برنمی تابد دوئی　　من ز تابِ او من آستم، تو توئی

خویش دار و خویش باز و خویش ساز　　نازہا می پرورد اندر نیاز

آتشے از سوزِ او گردد بلند　　ایں شرر بر شعلہ انداز کمند

فطرتش آزاد و ہم زنجیری است　　جزوِ او را قوتِ کُل گیری است

---

۱ سورہ البقرہ : ۱۳۸ — صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۝
کہدو کہ ہم نے خدا کا رنگ اختیار کرلیا ہے اور خدا سے بہتر رنگ کس کا ہو سکتا ہے۔

★ وہ اسے صنوبر اور شمشاد کی طرح "پابگل" (پابند) بناتی ہے اور اسی پابندی میں اسے آزادی عطا کرتی ہے۔ اس کے ہاتھ پاؤں باندھتی ہے تاکہ اسے آزادی عطا کرے[1]۔

★ جب وہ آئین کا پابند اور ضابطے کا حلقہ بگوش ہو جاتا ہے تو پھر اس کا چوکڑیاں بھرنے والا آہو مشک پیدا کرتا ہے۔ (نظم و ضبط اور جماعتی پابندیوں سے انفرادی شخصیت کو کمال حاصل ہوتا ہے۔)

★ تو خودی اور بیخودی میں امتیاز نہ کر سکا۔ (ان کے ربط و فرق کو نہ جان سکا) اس لیے تو وہم و گمان میں مبتلا ہو گیا ہے۔

★ تیری مشتِ خاک میں نور کا جوہر ہے (نور کا روشن نقطہ یا خودی ہے) اور تیرا ادراک، تیرا شعور اس کی ایک کرن ہے۔

★ اس کی خوشی سے تیری خوشی ہے اور اس کے غم سے تیرا غم ہے۔ اس کی ہر لمحہ انقلابی کیفیت کے طفیل تو زندہ و پائندہ ہے۔

★ یہ واحد ہے اور دوئی کو قبول نہیں کرتا۔ انفرادیت اس کی خصوصیت ہے اور اسی صفت (جذبے اور تپش) کی وجہ سے مَیں مَیں ہوں اور تُو تُو ہے۔

★ یہ خودی کی نگہداشت بھی کرتا ہے، خودی کی بازی بھی لگاتا ہے (جہد و عمل کرتا ہے) اور خود کو پروان بھی چڑھاتا ہے۔ وہ نیاز کے پردے میں ناز کی پرورش کرتا ہے۔

★ اس کے سوز سے آتش بلند ہوتی ہے۔ یہ وہ چنگاری ہے جو شعلے پر کمند ڈالتی ہے تاکہ اس پر تصرف حاصل کرے[2]۔

★ اس کی فطرت آزاد بھی ہے اور پابند بھی۔ یہ وہ "جزو" ہے جو "کل" پر تصرف حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ (اس جز میں ہمہ گیری کی قوت پوشیدہ ہے۔ وہ مسخر کمد مافی السمٰوٰت والارض کا امین ہے)

---

[1] صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے پابگل بھی ہے ۔۔۔ انہی پابندیوں میں حاصلِ آزادی کو تو کر لے

[2] جب انائے صغیر (انسانی خودی) انائے کبیر کی الوہی صفات کی حامل ہو جاتی ہے تو اس کے تصرفات کی انتہا نہیں۔

خوگرِ پیکار پیہم دیدمش
ہم خودی ہم زندگی نامیدمش

چوں ز خلوت خویش را بیروں دہد
پائے در ہنگامۂ جلوت نہد[1]

نقش گیر اندر دلش او می شود
من ز ہم می ریزد و "تو" می شود

جبر قطع اختیارش میکند
از محبت مایہ دارش میکند

ناز تا ناز است کم خیزد نیاز
ناز ہا سازد بہم خیزد نیاز

در جماعت خود شکن گردد خودی
تا ز گلبرگے چمن گردد خودی

"نکتہ ہا چوں تیغِ پولاد است تیز
گر نمی فہمی ز پیشِ ما گریز"

در معنیٔ ایں کہ ملت از اختلاطِ افراد پیدا می شود و تکمیل تربیتِ او از نبوت است

از چہ رو برلبستہ ربطِ مردم است
رشتۂ ایں داستاں سر در گم است

---

[1] زندگی انجمن آرا و نگہبانِ خود است
اے کہ در قافلۂ بے ہمہ شو با ہمہ شو

★ جہدِ مسلسل اور پیکارِ پیہم اس جوہر کی فطرت ہے ۔ لہٰذا میں نے اسے زندگی یا خودی کے نام سے منسوب کیا ہے

★ جب خودی اپنی خلوت (انفرادیت کے دائرے) سے باہر نکلتی ہے اور اپنے آپ کو معاشرہ' ملت (جماعت) سے وابستہ کرتی ہے تو جمعیت کے ہنگاموں کی رونق بنتی ہے ۔

★ اس کے دل میں وہ (ہواللہ) اپنا نقش بٹھاتا ہے ۔ اس کے اندر کا "میں" بکھر جاتا ہے اور اس کی "تو" (جماعت یا ملت) بن جاتا ہے ۔

★ جبر (خدائی اور ملی آئین کی پابندی) اس کے اختیار کو قطع کر دیتا ہے اور اس کے نتیجے میں اسے محبت (خدائی اور انسانی محبت) کی دولت سے مالامال کر دیتا ہے ۔

★ ناز جب تک تنہا ناز ہے (اگر محض ایک فرد ہو) تو نیاز ناپید ہے ۔ لیکن جب اہلِ ناز باہم ملتے ہیں تو نیازمندی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔[1]

★ جب خودی خود شکن بنتی ہے اور (بیخودی اختیار کر کے) اپنی جماعت سے وابستہ کرتی ہے تو خود جماعت بن جاتی ہے ۔ گویا وہ ایسی پنکھڑی ہے جو گل سے گلستاں بن جاتی ہے ۔

★ جو نکتے میں بیان کر رہا ہوں وہ تیغ سے بھی تیز تر ہیں ۔ اگر تجھ میں ان کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہے تو تیرے لیے یہی مناسب ہے کہ محفل سے اٹھ کر چلا جائے ۔

اِس بیان میں کہ مِلّت افراد کے اختلاط سے تشکیل پاتی ہے

اور اس کی تربیت کی تکمیل نبوّت سے ہوتی ہے

★ لوگوں میں ربط و ضبط (سماجی نظام) کیونکر قائم ہوا ہے؟ یہ ایسی داستان ہے جس کا آغاز معلوم نہیں ہے ۔ (ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں ۔ اکبر الہ آبادی)

---

[1] باہمی ربط سے افراد میں جماعت بندی اور ایک دوسرے کی ضرورت (نیاز) کا احساس پیدا ہوتا ہے ۔

در جماعت فرد را بینیم ما | از چمن او را چو گل چینیم ما
فطرتش وارفتۂ یکتائی است | حفظ او از انجمن آرائی است
سوز دش در شاہراہِ زندگی | آتشِ آوردگاہِ[1] زندگی
مردماں خوگر بیک دیگر شوند | سفتہ در یک رشتہ چوں گوہر شوند
در نبردِ زندگی یارِ ہم اند | مثلِ ھمکاراں گرفتارِ ہم اند
محفلِ انجم ز جذبِ باہم است | ہستیٔ کوکب ز کوکب محکم است
خیمہ گاہِ کارواں کوہ و جبل | مرغزار و دامنِ صحرا و تل
سست و بیجاں تار و پودِ کارِ او | ناکشودہ غنچۂ پندارِ او
سازِ برقِ آہنگِ او ننواختہ | نغمہ اش در پردہ پرداختہ
گوشمالِ جستجو ناخوردہ | زخمہ ہائے آرزو ناخوردہ
نابساماں محفلِ نوزادہ اش | می تواں با پنبہ چیدن بادہ اش

---

[1] آوردگاہ : جنگ

★ بہر حال ہم فرد کو جماعت میں منسلک پاتے ہیں، اور چمن میں گل کی طرح اس کی شناخت یا انتخاب کرتے ہیں۔ (چمن کے پھولوں کی طرح جماعت میں ربط و نظم قائم کرتے ہیں)

★ اس کی فطرت یکتائی کی دلدادہ ہے ۔ وہ انفرادیت پسند ہے، لیکن اس کی حفاظت انجمن آرائی (سماجی نظام) سے ہوتی ہے۔

★ کارزارِ حیات اور پیکارِ حیات کی آگ اسے زندگی کی راہ میں آزمائشوں میں ڈالتی ہے اس طرح اس کی شخصیت کی تعمیر کرتی ہے۔

★ اس کی وجہ سے لوگ باہمی میل جول کے عادی ہونے لگتے ہیں اور ہار کی طرح ایک ہی رشتے میں منسلک ہو جاتے ہیں۔ اور اس طرح ایک جماعت یا معاشرہ تیار ہو جاتا ہے۔

★ وہ زندگی کے پیکار میں ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں اور (رنج و غم میں یاروں اور) ہمکاروں اور غمگساروں کی طرح باہم شریک ہوتے ہیں۔

★ افلاک پر نظامِ انجم بھی جذب باہم سے قائم ہے۔ ستاروں کا وجود باہمی جذب سے قائم و دائم ہے۔ انسانی افراد بھی اسی آئین سے قیام و ثبات حاصل کرتے ہیں۔[1]

★ انسانی زندگی کی ابتدائی حالت کو لیجیے۔ جب انسانی کارواں دشت و جبل میں بھٹکتا پھرتا تھا اور مرغزاروں، صحراؤں اور پہاڑوں کے دامن میں زندگی بسر کرتا تھا۔

★ (وہ نہایت سادہ زندگی گزارتا تھا۔ اس کی ضرورتیں اور کاروبار محدود تھے) اس کی کارگزاریوں کے تار و پود بڑے کمزور تھے؛ اس کا شعور ابتدائی حالت میں تھا۔

★ اس کے بجلیوں کی تانیں اڑانے والے ساز کو ابھی چھیڑا نہیں گیا تھا اور اس کے پردوں سے نغمے پیدا نہیں ہوئے تھے۔ (وہ غیر مہذب قبائلی زندگی بسر کر رہا تھا۔)

★ جستجو نے اس کے ساز کی کھونٹیوں کو مروڑا نہیں تھا اور آرزو کی مضراب نے اس کے تاروں پر ضرب نہیں لگائی تھی۔ (وہ قدرتی حالات کے رحم و کرم پر جی رہا تھا۔)

★ الغرض اس کی ابتدائی حالت بڑی عجیب و غریب تھی۔ وہ اس نئی محفل کی طرح تھی جو ساز و سامان سے قطعاً محروم ہو۔ اس کی شراب اتنی مختصر تھی کہ اسے کپاس کا ٹکڑا بھی جذب کر سکتا تھا۔

---

[1] قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں ۔ جذب باہم جو نہیں محفلِ انجم بھی نہیں

نو دمیده سبزهٔ خاکش ہنوز　　سرد خوں اندر رگِ تاکش ہنوز

منزلِ دیو و پری اندیشہ اش　　از گمانِ خود رمیدن پیشہ اش

تنگ میدانِ ہستی خاموش ہنوز　　فکر او زیرِ لب باُشش ہنوز

بیمِ جاں سرمایۂ آب و گِلش　　ہم ز بادِ تند می لرزد دلش

جانِ او از سخت کوشی رم زند　　بخیہ در دامانِ فطرت کم زند

ہر چہ از خود میدمد بردار دش　　ہر چہ از بالا فتد بردار دش

تا خدا صاحبدلے پیدا کند　　کو ز حرفے دفترے املا کند

ساز پردازے کہ از آوازۂ　　خاک را بخشد حیاتِ تازۂ

ذرۂ بے مایہ ضو گیرد ازو　　ہر متاعے ارجِ نو گیرد ازو

زندہ از یک دم دو صد پیکر کند　　محفلے رنگیں ز یک ساغر کند

دیدۂ او میکشد لب جاں دمد　　تا دوئی میرد یکی پیدا شود

رشتہ اش کو بر فلک دارد سرے　　پارہ ہائے زندگی را ہمگرے

★ اس کی خاک کا سبزہ گویا ابھی ابھی اگا تھا اور اس کی تاک (انگور کی بیل) کی رگوں میں جو خون دوڑ رہا تھا (وہ گرم نہیں بلکہ) سرد تھا۔

★ وہ توہم پرستی کا شکار تھا۔ دیو اور پری اس کے دل و دماغ پر چھائے ہوئے تھے۔ وہ ان سے خوف کھاتا۔ وہ اپنے خیالی تصورات (وہم و گمان) سے بھی ڈر کر بھاگتا تھا۔

★ لہٰذا اس کی (خاموش اور) بے عمل ہستی کی وجہ سے اس کے عمل کا دائرہ نہایت محدود تھا، اور اس کی فکر کی پرواز اس کے بام و در تک جا کر رُک جاتی تھی۔

★ دنیائے آب و گل (کو فتح کرنے کی بجائے وہ اس) سے ہمیشہ ڈرتا رہتا اور اسے وبالِ جان تصور کرتا۔ بادلوں کی گرج، بجلیوں کی چمک اور ہوا کے تیز جھونکوں سے لرز لرز اٹھتا۔

★ اس کی جان سخت کوشی سے جی چراتی (اور بھاگ پڑتی) لہٰذا وہ فطرت کے دامن پر پنجہ مارنے سے گریز کرتا۔ حالانکہ خدا نے انسان کو "تسخیرِ کائنات" کا حکم دیا ہے۔

★ وہ خود اناج نہیں اگاتا تھا بلکہ جو چیزیں از خود پیدا ہوتیں اور جو بھی پھل وغیرہ اوپر سے گرتے انھیں اُٹھا کر کھاتا۔ اس طرح جو کچھ میسّر آجاتا اسی پر قناعت کرتا۔

★ اس حالت میں انسان اس وقت نکلا اور وحشیانہ دور سے تہذیبی دور میں داخل ہوا جب خُدا نے اس جماعت میں ایک صاحبدل کو پیدا کیا۔

★ صاحبدل ایسا مطرب ہوتا ہے جو اپنی نوا سے، اپنے داؤدی نغمے سے خاک کو حیاتِ تازہ عطا کرتا ہے۔

★ اس کی ذات سے معمولی ذرّے جواہر پاروں کی طرح چمک اٹھتے ہیں، ہر نوع کی جنس نئی قدر و قیمت حاصل کر لیتی ہے اور زندگی میں انقلابِ نو آجاتا ہے۔

★ وہ ایک ایسا مسیحا نفس ہوتا جو اپنے نفس سے صدہا پیکر زندہ کر دیتا ہے، اور ایک ساغر سے ساری محفل کو رنگین اور سرشار کر دیتا ہے۔

★ اس کی نظر ہلاک کرتی ہے تو لب زندہ کرتے ہیں یعنی اس کی نظر باطل (برائیوں) کو ہلاک کرتی ہے اور اس کے لب مردہ دلوں میں جان ڈالتے ہیں۔

★ وہ بچھڑے ہوئے انسانوں، مخالف گرہوں کو اخوت اور الوہیت کے رشتے میں منسلک کر دیتا ہے جس کا ایک سِرا آسمان سے وابستہ ہوتا ہے۔

تازه اندازِ نظر پیدا کند
گلستاں در دشت و در پیدا کند

از تفِ او ملّتے مثلِ سپند
بر جہد شور افگن و ہنگامہ بند

یک شرر می افگند اندر دلش
شعلۂ در گیر میگردد گلش

نقشِ پایش خاک را بینا کند
ذرّہ را چشمک زنِ سینا کند

عقلِ عریاں را دہد پیرایۂ
بخشد ایں بے مایہ را سرمایۂ

دامنِ خود میزند بر اخگرش
ہر چہ غش باشد رباید از زرش

بندہا از پا کشاید بندہ را
از خداوندان رباید بندہ را

گویدش تو بندۂ دیگر نۂ
زیں بتانِ بے زباں کمتر نۂ

تا سوئے یک مدّعایش می کشد
حلقۂ آئیں بپایش می کشد

نکتۂ توحید باز آموزدش
رسم و آئینِ نیاز آموزدش

★ وہ ان میں ایک نیا اندازِ نظر پیدا کرتا ہے اور بیابان میں گلزار کھلا دیتا ہے ۔ (اور مردہ قوم میں زندگی کی لہر دوڑا دیتا ہے)

★ اس کی ایک پھونک (انقلابی نعرے) سے قوم سپند کے دانوں کی طرح تڑپ اُٹھتی ہے اور شور و ہنگامہ برپا کردیتی ہے۔ (زندگی میں انقلاب برپا کردیتی ہے۔)

★ وہ اس کے دل میں چنگاری ڈالتا ہے۔ جس کے نتیجے میں اس کا بدن (یعنی ہر فردِ قوم) شعلۂ جوالہ بن جاتا ہے۔

★ اس کے نقشِ پا خاک کو چشمِ بینا عطا کرتے ہیں اور ذرّوں کو روشن کرکے رشکِ طور بنا دیتے ہیں۔ (ہر ذرّہ طور سے چشمک زنی کرتا ہے اور اس پر طعنے کستا ہے۔)

★ وہ عقل کو (جو خام اور عریاں ہوتی ہے) ایک نیا پیرایہ عطا کرتا ہے اور اس طرح اس بے مایہ کو مایہ دار بناتا ہے۔ (علم و دانش کا سرمایہ بخشتا ہے۔)

★ وہ اس کی چنگاری کو اپنے دامن سے ہوا دیتا ہے اور میل کچیل کو صاف کر کے اسے کندن بنا دیتا ہے۔ (عقل و دانش کے علاوہ اسے اخلاق و عرفان سے بھی آراستہ کرتا ہے۔)

★ وہ غلاموں کے پاؤں کی بیڑیاں کھول دیتا ہے، اور آقاؤں سے غلاموں کو چھین کر آزاد کر دیتا ہے۔ (اُچک لیتا ہے۔)

★ وہ اُن سے کہتا ہے کہ تم خدا کے سوا کسی کے بندے (یا غلام) نہیں ہو۔ تم ان بے زبان بتوں (یا نیچر کی بوجہیاں اشیاء) سے کسی طرح کمتر نہیں ہو۔

★ اس طرح انھیں پند و نصائح کے ذریعے ایک بلند نصب العین (توحید) کی جانب کشاں کشاں لے جاتا ہے اور الٰہی آئین یا مذہبی یا انسانی نظام کے حلقے میں انھیں پابند کردیتا ہے۔

★ اور پھر انھیں توحید کا نکتۂ عظیم سکھلاتا ہے، اور خدائے برتر کے احکام کے سامنے سرِ نیاز جھکانے کی تعلیم دیتا ہے اور آدابِ بندگی سکھلاتا ہے۔ اس طرح ایک اجتماعی نظام قائم ہوتا ہے جس کی بنیاد توحیدِ الٰہی، احکامِ الٰہیہ کی پابندی اور وحدتِ انسانی پر قائم ہوتی ہے۔

ارکانِ اساسی ملیّۂ اسلامی

رُکنِ اوّل

توحید

در جہانِ کیف و کم گردید عقل　　پے بہ منزل بُرد از توحید عقل[1]

ورنہ ایں بیچارہ را منزل کجاست　　کشتیٔ ادراک را ساحل کجاست

اہلِ حق را رمزِ توحید ازبراست　　در اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا مضمر است[2]

تا ز اسرارِ تو بنماید ترا　　امتحانش از عمل باید ترا

دیں ازو، حکمت ازو، آئیں ازو　　زور ازو، قوت ازو، تمکیں ازو

---

[1] ارکانِ اساسی ملتِ اسلامیہ کے عنوان کے تحت رکنِ اول توحید کی شرح ہے۔ توحید اور رسالت کا تعلق معتقدات سے ہے لہٰذا توحید اور رسالت کو دیگر ارکانِ اسلام سے وہی تعلق ہے جو بقیہ دفعاتِ قانونی کو تمہیدیا "پری ایمبل" سے ہوتی ہے۔

[2] اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا سورۂ مریم: ۹۳

آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے وہ اسی لیے ہے کہ اس کے آگے بندگی کا سر جھکائے حاضر ہو

شہیدِ ناز او بزمِ وجود است　　نیاز اندر نہادِ ہست و بود است

نمی بینی کہ از مہرِ فلک تاب　　بسیمائے سحر داغِ سجود است ــــ اقبال

شہیدِ ناز ہے اس کی یہ دُنیا　　پرستار اس کا ہے اک ایک ذرہ

ذرا خورشیدِ تاباں کو تو دیکھو　　جبینِ صبح پر ہے داغِ سجدہ ــــ شہاب

ارکانِ اساسی ملّیۂ اسلامیہ

رکنِ اوّل

توحید

★ اِنسانی عقل اس کائنات، اس جہانِ کیف وکم میں سرگرداں رہی اور بالآخر توحید کی وساطت سے ہی منزلِ مقصود کو پہنچ پائی ہے[1]

★ توحید نہ ہوتی تو اس غریب کی کوئی منزلِ مقصود نہ ہوتی اور اس کی کشتی کا کوئی ساحل نہ ہوتا۔

★ اہلِ حق توحید کے رمز سے آگاہ ہوتے ہیں۔ جو "آتی الرحمٰن عبداً" کی آیہ شریفہ میں پوشیدہ ہے۔ (یعنی آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے اور جو کوئی بھی ہے سب اسی کی عبادت کرتے ہیں۔)

★ اس کی وجہ سے تجھے (اپنی ذات کے) اسرار سے آگاہی ہوتی ہے۔ جس کے لیے تجھے عمل کی آزمائش سے گزرنا پڑتا ہے۔ محض زبان سے توحید کا اقرار کافی نہیں[2]

★ جب تجھے اس رمز سے آگاہی ہوتی ہے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ وحدت کثرت میں جلوہ گر ہے۔ دین و آئین ہوں یا دانش و حکمت سب کا سرچشمہ وہی ہے اور زور و قوت اور جاہ و تمکیں کے مظاہر بھی اسی سے ہیں[3]

---

[1] اِنسانی عقل ابتدائی کوششوں میں اپنے ماحول میں اشیاء و حوادث کا فرداً فرداً ادراک کر کے ان کے ساتھ کوئی ہنگامی توافق پیدا کرتی رہی۔ ابھی تک ایسا شعور پیدا نہیں ہوا تھا جو مظاہر کی گوناگونی اور کثرت کو کسی وحدت میں منسلک کر سکے۔ عقل کا پہلا ارتقائی قدم توحید کی بدولت اٹھا ورنہ عقل کے لیے خود اپنا مقصود واضح نہ تھا۔ فطرت کی تسخیر فہم فطرت کے ساتھ وابستہ ہے اور اس فہم کا کام حوادث کی کثرت میں آئین کی وحدت تلاش کرنا ہے۔

[2] توحید پر عمل پیرا ہونے سے ہی آشکار ہوتے ہیں۔

[3] کم فہم لوگ دین و دانش کو الگ الگ بلکہ متضاد چیزیں سمجھتے ہیں۔ اگر نکتۂ توحید ان کی سمجھ میں آجائے تو ان پر یہ حقیقت واضح ہو کہ توحید کی پیدا کردہ وحدت کوشی ہی دین و حکمت دونوں کا سرچشمہ ہے اور تمام قسم کی قوتیں اس سے پیدا ہوتی ہیں۔

عالماں را جلوہ اش حیرت دہد　　عاشقاں را بر عمل قدرت دہد[1]

پست اندر سایہ اش گردد بلند　　خاک چوں اکسیر گردد ارجمند

قدرتِ او برگزیند بندہ را　　نوعِ دیگر آفریند بندہ را

در رہِ حق تیز تر گردد تگش　　گرم تر از برق خوں اندر رگش

بیم و شک میرد، عمل گیرد حیات　　چشم می بیند ضمیرِ کائنات

چوں مقامِ عبدہٗ محکم شود

کاسۂ دریوزہ جامِ جم شود

ملتِ بیضا تن و جاں لا الٰہ　　سازِ ما را پردہ گرداں لا الٰہ

لا الٰہ سرمایۂ اسرارِ ما　　رشتہ اش شیرازۂ افکارِ ما

حرفش از لب چوں بدل آید ہمے　　زندگی را قوّت افزاید ہمے

---

[1] بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق　　عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی
غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم　　نہایت اس کی حسینؑ ابتدا ہے اسماعیلؑ

★ اس کے جلوے اہلِ دانش کے لیے حیرت و تجسس کا باعث ہوتے ہیں اور عاشقوں کو عشق اور عمل کی قدرت عطا کرتے ہیں۔

★ اس کے سائے میں پست بلند ہو جاتے ہیں ۔ توحید کا عقیدہ خاک کو اکسیر بنا دیتا ہے۔

★ جب اس کی قدرت کسی بندے کو منتخب کرتی ہے تو انسان کی نوعیت ہی بدل جاتی ہے ۔ اس کی کایا پلٹ ہو جاتی ہے ۔

★ اس کے قدم راہِ حق میں تیز گام (اور سرگرمِ عمل) ہو جاتے ہیں ۔ اس کی رگوں میں خون کی گردش بجلی کی طرح تیز ہو جاتی ہے ۔

★ اس کے دل سے شک اور خوف نکل جاتے ہیں اور ان کی جگہ یقین اور عمل کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اور چشم بصیرت پر ضمیر کائنات کا انکشاف ہوتا ہے ۔ (اور وہ پوشیدہ حقائق دیکھنے لگتی ہے ۔

★ الغرض جب وہ مقامِ عبدہٗ پر مستقل طور پر فائز ہو جاتا ہے تو اس کا کاسۂ گدائی جامِ جمشید میں تبدیل ہو جاتا ہے ۔

★ ملتِ بیضا تن کے مانند ہے اور کلمۂ توحید اس کی جان ہے ۔ ہمارے ساز کے پردوں پر لاالٰہ کا نغمہ کھیلتا رہتا ہے ۔ (لاالٰہ وہ مضراب ہے جو ہمارے ساز کے پردوں کو چھیڑتا رہتا ہے۔)

★ لاالٰہ ہمارے اسرار کا سرمایہ ہے ۔ یہ ایسا عقیدہ (رشتہ) ہے جو ہمارے افکار و جذبات کی شیرازہ بندی کرتا ہے ۔ (تمام افرادِ ملت کو موتیوں کی طرح ایک رشتے میں پرو دیتا ہے۔) [1]

★ جب یہ کلمہ لبوں سے دل میں اترتا ہے تو زندگی میں قوت کا اضافہ ہوتا ہے ۔ حیات کو نئی توانائی حاصل ہوتی ہے ۔

---

[1] سورہ ص (آیت ۶۵) قل انما انا منذر وما من الٰہ الا اللہ الواحد القہار
(یعنی آپ فرما دیں کہ میں تو بس ڈر سنانے والا ہوں اور حاکم کوئی نہیں مگر اللہ اکیلا دباؤ والا)

نقشِ او گر سنگ گیرد دِل شود — دِل گر از یادش نسوزد گِل شود[1]

چوں دل از سوزِ غمش افروختیم — خرمنِ امکاں زآہے سوختیم

آب دلہا درمیانِ سینہ ہا — سوز او بگداخت ایں آئینہ ہا

شعلہ اش چوں لالہ در رگہائے ما — نیست غیر از داغِ او کالائے ما

اسود از توحید احمر می شود — خویشِ فاروقؓ و ابوذرؓ می شود

دل مقامِ خویشی و بیگانگی است — شوق را مستی ز ہم پیمانگی است

ملّت از یک رنگیٔ دِلہاستے — روشن از یک جلوہ ایں سیناستے

قوم را اندیشہ ہا باید یکے — در ضمیرش مدعا باید یکے

جذبہ باید در سرشتِ او یکے — ہم عیارِ خوب و زشتِ او یکے

گر نباشد سوزِ حق در سازِ فکر — نیست ممکن ایں چنیں اندازِ فکر

ا۔ کلمۂ توحید ہی ملّت بیضا کے تن میں بطور جان ہے۔ یہی عقیدہ ملّت کا شیرازہ بند ہے۔ اس سے زندگی میں قوت کا اضافہ ہوتا ہے۔ اس سے وہ گِل دل بن جاتا ہے اور دل میں سے اگر نکل جائے تو دل تودہ گِل بن جاتا ہے مُسلمان کی اصل دولت یہی ہے۔ اسی توحید نے اسود و احمر کی تمیز مٹا دی اور بلال حبشی کو فاروقؓ و بوذرؓ کا ہمسر بنا دیا۔

★ اگر سنگ پر اس کا نقش پڑ جائے تو پتھر بھی دل بن جاتا ہے اور اگر دل اس کی یاد میں نہ تڑپے تو وہ گِل بن جاتا ہے۔

★ جب بھی ہم نے اس کے غم کے سوز سے اپنے دلوں کو روشن کیا ہے تو خرمنِ امکان (یعنی کائنات) کو ایک آہ میں پھونک ڈالا ہے۔

★ ہمارے سینوں میں دِلوں کی آب و تاب (روشنی) محض اس لیے ہے کہ اس کے سوز نے ان آئینوں کو گداخت کر کے جلا بخشی ہے۔

★ اس کے شعلے کا سوز لالے کی طرح ہمارے رگ و پے میں جاری ہے اور ہمارے دل پر جو اس کا داغ ہے۔ یہی ہماری دولت ہے۔

★ اسی توحید کا یہ اعجاز ہے کہ اسود (سیہ فام حبشی) احمر (سُرخ فام ترک و عرب) کے برابر ہو جاتا ہے' اور فاروق[رض] اور بوذر[رض] کا رشتہ دارین جاتا ہے۔

★ دل ہی لیگانگت یا بیگانگی کا سبب بنتا ہے (دل سا دوست نہ دل سا دشمن) جس محفل میں ہم خیال و ہم پیالہ احباب ہوں وہاں شراب کا لطف دگنا ہو جاتا ہے۔

★ ملّت کی اساس دلوں کی یک رنگی اور ہم آہنگی پر ہے۔ یہ وہ وادیٔ سینا (کوہِ طور) ہے، جو ایک ہی جلوہ سے روشن ہے۔

★ قوم کے افراد میں وحدتِ فکر (یکجہتی اور ہم آہنگی) ہونی چاہیے۔ ان کا مدعا' ان کا نصب العین بھی ایک ہی ہونا چاہیے۔

★ اس کی فطرت میں ایک ہی جذبہ کارفرما ہونا چاہیے۔ ان کے خیر و شر اور خوب و زشت کا معیار بھی یکساں ہونا چاہیے[1]

★ اگر سازِ فکر کے ساتھ سوزِ حق شامل نہ ہو (یعنی فکر کے ساتھ عشقِ الہٰی، حق بینی اور حق پرستی نہ ہو) تو اس قسم کا اندازِ فکر میسّر نہیں ہو سکتا[2]

---

[1] ملّت نہ جغرافیائی چیز ہے نہ نسلی نہ لسانی۔ بقول شاعر ہمدلی از ہمزبانی بہتر است" ملّت دلوں میں یکرنگی اور ہم آہنگی سے پیدا ہوتی ہے اور یہ بات توحید ہی کی برکت سے ظاہر ہوتی ہے۔ ملّت اسے کہتے ہیں جس میں خیر و شر اور خوب و زشت کا معیار یکساں ہو۔ یہ اتحاد خدائے واحد کی بخشی ہوئی بصیرت کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔

[2] بتاؤں تجھ کو مسلماں کی زندگی کیا ہے ۔ یہ ہے نہایتِ اندیشہ و کمالِ جنوں (اقبالؔ)

ما مسلمانیم و اولادِ خلیل[۱] | از ابیکم گیر اگر خواهی دلیل[۲]

با وطن وابستہ تقدیرِ اُمم | بر نسب بنیادِ تعمیرِ اُمم

اصلِ ملت در وطن دیدن کہ چہ | باد و آب و گِل پرستیدن کہ چہ

بر نسب نازاں شدن نادانی است | حکمِ او اندر تن و تن فانی است

ملتِ ما را اساسِ دیگر است | ایں اساس اندر دلِ ما مضمر است

حاضریم و دل بغائب بستہ ایم | پس ز بندِ این و آں وارستہ ایم

رشتۂ ایں قوم مثلِ انجم است | چوں نگہ ہم از نگاہِ ما گم است

تیرِ خوش پیکانِ یک کیشیم ما | یک نما، یک بیں، یک اندیشیم ما

مدعائے ما، مآلِ ما یکے ست | طرز و اندازِ خیالِ ما یکے ست

---

۲ سورۃ الحج (آیت ۷۸) مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ ۵
(یعنی قائم ہو جاؤ اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر۔ اللہ نے پہلے بھی تمھارا نام مسلم رکھا تھا، اور اس قرآن میں بھی تمھارا یہی نام ہے۔ تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ۔)

★ ہم مسلماں ہیں اور ابراہیم خلیل اللہ کی اولاد ہیں ۔ اگر تو اس کا ثبوت چاہتا ہے تو آیہ کریمہ "ملت ابیکم ابراہیم" پڑھ کر دیکھ لے ۔ جس میں حضرت ابراہیم کو ہمارا باپ کہا گیا ہے ۔

★ بعض قوموں نے اپنی تقدیر کو وطن کے ساتھ وابستہ کر رکھا ہے ۔ تو بعض قوموں نے ملت یا ریاست کی بنیاد رنگ ونسل ونسب پر قائم کی ہے[1] ۔

★ لیکن قوم یا ملت کی بنیاد وطن پر قائم کرنا کہاں تک مناسب ہے؟ یہ تو آب و گِل (خطۂ زمین یا وطن) کی پرستش ہوئی ۔ خدا پرستی کی جگہ وطن پرستی کہاں تک مناسب ہے ؟

★ نسل ونسب پر نازاں ہونا نادانی ہے، کیوں کہ اس کی بنیاد تن ہے اور تن فانی ہے ۔ لہٰذا نسل ونسب کو قومیت کی بنیاد بنانا بھی غلط ہے ۔

★ ہماری ملت کی اساس ان سب سے جُدا ہے ۔ وہ نہ تن پر منحصر ہے نہ وطن پر ۔ اس کی اساس ہمارے دل میں مضمر ہے ۔ (ملتِ اسلامیہ کی اساس نفسی اور روحانی ہے ۔)

★ ہم حاضر ہیں لیکن ہم نے اپنا دل غائب (یعنی خدائے ذوالجلال) سے وابستہ کر رکھا ہے اور اسی لیے ہم این وآں (ارضی ومادی تعلقات) سے آزاد ہیں ۔

★ ہماری قوم کا باہمی رشتہ ستاروں کے مانند ہے' جو ایک رشتے میں منسلک ہیں ۔ لیکن یہ رشتہ نظر نہیں آتا ۔ بعینہٖ جیسے نگاہ جو آنکھوں میں رہ کر بھی آنکھوں سے پوشیدہ ہے ۔

★ ہم ایک ہی ملت' ایک ہی کیش کے پیروکار ہیں ۔ گویا ایک ہی ترکش کے حسین ، (یا نکیلے) تیر ہیں ۔ ہم ایک دکھائی دیتے ہیں ۔ ایک نظر سے دیکھتے ہیں اور ایک طرح سوچتے ہیں ۔

★ ہمارا مدعا اور نصب العین ایک ہے اور ہماری منزلِ مقصود بھی ایک ہے ۔ ہمارا انداز فکر ونظر بھی یکساں ہے[2] ۔

---

[1] جہاں را زیک آب وگِل آفریدم | تو ایران و تاتار وزنگ آفریدی
من از خاک پولادِ ناب آفریدم | تو شمشیر و تیر و تفنگ آفریدی

[2] قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں | جذبِ باہم جو نہیں محفلِ انجم بھی نہیں

ما ز نعمت ہائے اُو اخوان شدیم[1]

یک زبان و یکدل و یکجاں شدیم

درمعنیٔ ایں کہ یاس و حزن و خوف اُم الخبائث است

و قاطعِ حیات و توحید ازالۂ ایں امراضِ خبیثہ می کند

مرگ را ساماں ز قطعِ آرزوست زندگانی محکم از لَاتَقْنَطُوا است

نا اُمید از آرزوئے پیہم است نا اُمیدی زندگانی را سم است

نا اُمیدی، ہمچو گور افشارد ت گرچہ الوندی ز پا می آرد ت

---

[1] سورۃ آل عمران (آیت ۱۰۳) وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ج

سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو ۔ اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے ۔ اس نے تمھارے دل جوڑ دیے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے ۔

★ ہم اس کے طفیل اخوت کے رشتے میں منسلک ہیں اور باہم بھائی ہیں۔ اس کے لطف وکرم سے ہم یک زبان، یکدل اور یکجان بنے ہوئے ہیں۔

اس باب میں کہ یاس وحزن وخوف ام الخبائث اور قاطِع حیات ہیں اور توحید ان امراضِ خبیثہ کا خاتمہ کرتی ہے

★ آرزو کا منقطع ہونا موت کی علامت ہے۔ "لا تقنطو"[1] سے زندگی مستحکم اور پائدار بنتی ہے۔

★ چونکہ اُمید کا پیہم آرزو (اور جہدِ مسلسل) سے قائم ہے۔ لہٰذا نااُمیدی زندگی کے لیے سمِ قاتل ہے۔ (اُمید ضامنِ حیات اور نااُمیدی قاطعِ حیات ہے۔)

★ نااُمیدی انسان کو قبر کی طرح جکڑتی اور دبوچتی ہے۔ اگر تو پہاڑ (کوہ الوند) کی طرح مضبوط ہو پھر بھی وہ تجھے پچھاڑ کر رکھ دیتی ہے اور تجھے "راکھ کا ڈھیر" بنا دیتی ہے۔

---

[1] قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝

(اے نبی، کہہ دو کہ اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے۔ اللہ کی رحمت سے نااُمید نہ ہو جاؤ۔ یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ وہ غفور رحیم ہے۔)
(سورہ الزمر: ۵۳)

ناتوانی بندۂ احسانِ او
نامُرادی بستۂ دامانِ او

زندگی را یاس خواب آور بود
این دلیلِ سستیٔ عنصر بود

چشمِ جاں را سرمہ اش اعمیٰ کند
روزِ روشن را شبِ یلدا کند

از دمش میرد قوائے زندگی
خشک گردد چشمہائے زندگی

خفتہ با غم در تہِ یک چادر است
غم رگِ جاں را مثالِ نشتر است

اے کہ در زندانِ غم باشی اسیر
از نبیؐ تعلیم لَاتَحْزَنْ بگیر

این سبق صدیقؓ را صدیق کرد
سرخوش از پیمانۂ تحقیق کرد

از رضا مسلم مثالِ کوکب است
در رہِ ہستی تبسّم برلب است

ل (سورہ توبہ : ۴۰) اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ ۝ تم نے اگر نبیؐ کی مدد نہ کی تو کچھ پروا نہیں، اللہ اس کی مدد اُس وقت کر چکا ہے جب کافروں نے اُسے نکال دیا تھا۔ جب وہ دو میں کا دوسرا تھا۔ جب وہ دونوں غار میں تھے۔ جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا۔ "غم نہ کر، اللہ ہمارے ساتھ ہے"۔ اُس وقت اللہ نے اس پر اپنی طرف سے سکونِ قلب نازل کیا۔

★ ناتوانی نااُمیدی کی کنیز ہوتی ہے اور نامردی اس کی (متوسل کی طرح) حاشیہ بردار ہوتی ہے۔ (اس کے دامن سے وابستہ ہوتی ہے) نااُمیدی سے ناتوانی اور نامردی پیدا ہوتی ہے۔

★ یاس (نااُمیدی) زندگی کے لیے خواب آور افیون ہے۔ وہ انسانی قواء (عناصر) کو سُست اور مضمحل بنا دیتی ہے۔

★ اس کا سرمہ قلب و روح کو اندھا کر دیتا ہے اور روزِ روشن کو تاریک رات میں بدل دیتا ہے۔

★ اس کی زہریلی سانس زندگی کے قواء کو شل کر دیتی ہے اور حیات کے سرچشموں کو خشک کر دیتی ہے۔

★ یاس و غم میں چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔ (گویا دونوں ایک ہی چادر میں سوتے ہیں۔) یاس غم کو جنم دیتا ہے اور غم رگِ جاں کے لیے نشتر بن جاتا ہے۔ (جان کا خاتمہ کر دیتا ہے۔)

★ اے انسان جو غم کا شکار ہے (زندانِ غم میں اسیر ہے) اپنے پیغمبرؐ سے "لاتحزن" کا سبق سیکھ۔ (اُمید کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور تائیدِ خداوندی پر بھروسہ رکھ۔)[1]

★ اس سبق نے حضرت ابوبکرؓ کو "صدّیق" کا مرتبہ عطا کیا اور ان کو بادۂ عرفان اور شرابِ حقیقت سے سرشار کیا۔

★ تسلیم و رضا پر عمل پیرا ہونے سے مُسلم کوکب کے مانند ثابت قدم (اور درخشاں) رہتا ہے اور منزلِ حیات کے نشیب و فراز کو خندہ پیشانی سے (ہنستے ہوئے) قبول کرتا ہے۔

---

[1] حضور اکرمؐ اور حضرت ابوبکرؓ غارِ ثور میں چھپے بیٹھے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کو تشویش ہو رہی تھی۔ ایسے میں وحی سکینت نازل ہوئی۔ حضورؐ نے ابوبکرؓ سے فرمایا کہ لاتحزن ان اللہ معنا۔ فکر نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

گر خدا داری ز غم آزاد شو

از خیالِ بیش و کم آزاد شو

قوّتِ ایماں حیات افزایدت　　وردِ لَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ[1] بایدت

چوں کلیمے سوئے فرعونے رود　　قلبِ او از لَا تَخَفْ محکم شود

بیمِ غیراللہ عمل را دشمن است　　کاروانِ زندگی را رہزن است

عزمِ محکم ممکنات اندیش ازو　　ہمّتِ عالی تامّل کیش ازو

تخمِ او چوں در گِلت خود را نشاند　　زندگی از خود نمائی باز ماند

فطرتِ او تنگ تاب و سازگار　　با دلِ لرزاں و دستِ رعشہ دار

دزدد از پا طاقتِ رفتار را　　می رُباید از دماغ افکار را

---

[1] سورۂ یونس آیت ۶۲ : اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَاهُمْ یَحْزَنُوْنَ
اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ٥
سنو! جو اللہ کے دوست ہیں۔ (جو ایمان لائے اور جنھوں نے تقویٰ کا رویّہ اختیار کیا)
ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔

★ اگر تو خدا رکھتا ہے (خدا کا قائل ہے) تو رنج و غم کی پروا نہ کر (غم سے آزاد ہو جا) اور دُنیا کے بیش و کم (غربت و دولت) اور سود و زیاں سے بے نیاز[1] ہو جا۔

★ قوّتِ ایمانی انسانی حیات کو بڑھاتی ہے۔ لہٰذا تجھے ہمیشہ آیۂ شریفہ "لاخوفٌ علیہم" کا وِرد کرنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔

★ جب موسیٰ فرعون کے مقابل قدم بڑھاتا ہے تو اس کا دِل "لا تخف[2]" کی قوت سے مضبوط اور بے خوف بن جاتا ہے۔

★ غیراللہ کا خوف عمل کا دشمن ہوتا ہے۔ وہ کاروانِ حیات کا رہزن ہوتا ہے۔ (خوف سے فکر و عمل کی قوتیں شل ہو جاتی ہیں۔)

★ اس کے سبب عزمِ محکم کمزور ہو جاتا ہے اور انسان اپنے امکانات میں شک کرنے لگتا ہے اور اس کی ہمّتِ عالی فکر و تامّل اور تذبذب کا شکار ہو جاتی ہے۔

★ جب خوف کا بیج دل میں (مشتِ خاک) میں پیوست ہو جاتا ہے تو زندگی خود نمائی یعنی اہم کارگزاری سے قاصر ہو جاتی ہے۔

★ اس سے انسانی فطرت (کی توانائی) کمزور پڑ جاتی ہے اور انسان زمانے سے ٹکرانے کی بجائے اس کے سامنے سپر ڈال دیتا ہے اور اس سے سمجھوتہ کر لیتا ہے۔

★ خوف اس کے پاؤں سے طاقتِ رفتار اور اس کے دماغ سے قوتِ افکار چھین لیتا ہے اور اس کو فکر و عمل کی قوّت سے محروم کر دیتا ہے۔

---

[1] اللہ پاک نے سورۃ الزمر آیت ۳۶ میں کس خوبی سے تسلّی دی ہے کہ: الیس اللہ بکافٍ عبدہٗ (یعنی کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے؟)

[2] (سورۂ طٰہٰ: ۶۸) قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۝ (ہم نے کہا اے موسیٰ مت ڈر تو ہی غالب رہے گا۔) —— فرعون کے جادوگروں کی رسیاں اور لاٹھیاں حرکت میں دیکھ کر موسیٰ ڈر سے گئے۔ آواز آئی: "اے موسیٰ خوف نہ کرو، بلاشبہ تم ہی غالب ہو۔"

دشمنت ترسان اگر بیند ترا | از خیابانت چو گل چیند ترا

ضربِ تیغِ او قوی تر می فتد | ہم نگاہش مثلِ خنجر می فتد

بیم چون بند است اندر پائے ما | ورنہ صد سیل است در دریائے ما

بر نمی آید اگر آہنگِ تو | نرم از بیم است تارِ چنگِ تو

گوش تابش دہ کہ گردد نغمہ خیز | بر فلک از نالہ آرد رستخیز

بیم جاسوسی است از اقلیمِ مرگ | اندرونش تیرہ مثلِ میمِ مرگ

چشمِ او برہم زنِ کارِ حیات | گوشِ او بزگیر اخبارِ حیات

ہر شرِ پنہان کہ اندر قلبِ تست | اصلِ او بیم است اگر بینی درست

لابہ و مکاری و کین و دروغ | این ہمہ از خوف می گیرد فروغ

پردۂ زور و ریا پیراہنش | فتنہ را آغوشِ مادر دامنش

زانکہ از ہمت نباشد استوار | می شود خوشنود با ناسازگار

★ اور جب دشمن تجھے اس طرح خوف سے لرزاں اور ہراساں دیکھتا ہے تو تجھ کو باغ سے پھول کی طرح توڑ لیتا ہے۔

★ اس کی شمشیر کی ضرب اور زیادہ پر زور اور شدید بن جاتی ہے اور اس کی نگاہ بھی خنجر بن کر ٹوٹتی ہے۔

★ ہماری زندگی ایسے دریا کے مانند ہے جس میں سیکڑوں سیلاب پیدا ہو سکتے ہیں۔ لیکن خوف اس دریا کے لیے بند بن جاتا ہے اور اس کے پاؤں جکڑ لیتا ہے۔

★ اگر تیرے سازِ حیات سے کوئی دلکش نغمہ پیدا نہیں ہو رہا ہے تو اس کا سبب یہی ہے کہ خوف نے تیرے ساز کے تاروں کو ڈھیلا کر دیا ہے۔

★ تو اس کی کھونٹیوں کو پیچ دے اور تاروں کو کس تاکہ اس سے نغمے پیدا ہوں اور اس کے نالوں سے آسمان میں حشر کا ہنگامہ برپا ہو۔

★ خوف دراصل موت کی سلطنت کا جاسوس ہوتا ہے۔ اس کا دِل موت کے میم کی طرح تاریک ہے۔

★ اس کی نگاہ (چشم) حیات کے کاروبار کو درہم برہم کر دیتی ہے اور اس کے کان حیات کی خوشخبریاں (خوش آیند باتوں کو) چُرا لیتے ہیں۔

★ تیرے دل میں جتنی بھی بُری باتیں (اخلاقی برائیاں، اعصابی پیچیدگی اور نفسی امراض) پوشیدہ ہیں اگر ان کی تحقیق کرے گا تو پتہ چلے گا کہ ان سب کی بنیاد خوف ہے۔

★ خوشامد، مکاری، کینہ کپٹ اور جھوٹ، اس قسم کی تمام برائیاں خوف سے فروغ پاتی ہیں۔

★ وہ فریب کا نقاب اور ریا کا لباس پہنتا ہے۔ وہ فتنہ کو اپنے دامن میں پالتا اور پروان چڑھاتا ہے۔ (فتنہ کے لیے اس کا دامن، آغوشِ مادر بن جاتا ہے۔)

★ ہمّت کی کمی کی وجہ سے اس میں مضبوطی اور مستقل مزاجی نہیں ہوتی۔ اس لیے وہ ناسازگار حالات کے سامنے سپر ڈال دیتا ہے اور ان سے سمجھوتا کر بیٹھتا ہے۔

ہر کہ رمزِ مصطفیٰ[1] فہمیدہ است

شرک را خوف مضمر دیدہ است

محاورۂ تیر و شمشیر

سرِّ حق تیر از لبِ سوفار گفت	تیغ را در گرمیٔ پیکار گفت
اے پریہا جوہر اندر تافِ تو	ذوالفقارِ حیدرؓ از اسلافِ تو
قوّتِ بازوے خالدؓ دیدۂ	شام را بر سر شفق پاشیدۂ
آتشِ قہرِ خدا سرمایہ ات	جنّت الفردوس زیرِ سایہ ات
در ہوایم یا میانِ ترکشم	ہر کجا باشم سراپا آتشم
از کماں آیم چو سوئے سینہ من	نیک می بینم بہ توئے سینہ من

---

[1] سورۃ الاحقاف (آیت ۱۳) إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

یقیناً جن لوگوں نے کہہ دیا کہ اللہ ہمارا رب ہے، پھر اس پر جم گئے، ان کے لیے نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

★ جو بھی پیغمبرِ اسلام کی تعلیمات[1] کے راز کو سمجھتا ہے وہ جانتا ہے کہ خوف میں شرک پوشیدہ ہے ۔ گویا خوف شرک ہے ۔

تیر و شمشیر کا مکالمہ

★ ایک مرتبہ میدانِ جنگ میں تیر نے (اپنی نوکِ زبان یا پیکان سے) تیغ سے راز کی یہ بات بیان کرتے ہوئے کہا :

★ اے تیغ ! تیرے جوہر کوہِ قاف کی پریوں کی مانند ہیں ۔ تو حضرت علیؓ کی ذوالفقار کی اولاد ہے ۔

★ تو نے حضرت خالدؓ جیسے فاتحِ اسلام کے بازو کی قوت کا مشاہدہ کیا ہے اور سرزمینِ شام کو شفق کی طرح خون سے سرخ ہوتے دیکھا ہے ۔

★ اے تیغ تو قہرِ خداوندی کی آگ ہے ۔ اسی کے ساتھ تیرے سائے میں جنّت فردوس بھی ہے ۔ (تو دشمنوں پر قہرِ خداوندی بن کر ٹوٹتی ہے اور شہیدوں کو جنّت فراہم کرتی ہے ۔)

★ میرا یہ حال ہے کہ چاہے میں ہوا میں پرواز کروں یا ترکش میں رہوں ، جہاں بھی رہوں سراپا آتش ہوں ۔

★ جب میں کمان سے نکل کر کسی کے سینے کی جانب رُخ کرتا ہوں تو میں اس کے سینے کے اندر (شیشے کی طرح) سب کچھ بغور دیکھتا ہوں ۔ (اور اچھی طرح چھان بین کرتا ہوں ۔)

---

[1] حٰمٓ السجدہ (آیت ۳۰) جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور وہ اس پر ثابت قدم رہے یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور اُن سے کہتے ہیں کہ ۔ نہ ڈرو ، نہ غم کرو اور خوش ہو جاؤ اس جنّت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے ۔

ملاحظہ ہوں سورہ البقرہ آیات ۳۸ ۔ ۶۲ ۔ ۱۱۲ ۔ ۲۶۲ ۔ ۲۷۴ ۔ ۲۷۷

سورہ الانعام آیات ۴۸ ۔ الاعراف ۳۵ ۔ سورہ یونس ۶۲ ۔ الزخرف ۶۸ ۔

گر نباشد درمیاں قلبِ سلیم
فارغ از اندیشہائے یاس و بیم

چاک چاک از نوکِ خود گردانمش
نیمہ از موجِ خوں پوشانمش

در صفائے او ز قلبِ مومن است
ظاہرش روشن ز نورِ باطن است

از تفِ او آب گردد جانِ من
ہمچو شبنم می چکد پیکانِ من

حکایتِ شیر شہنشاہ عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ

شاہِ عالمگیر گردوں آستاں
اعتبارِ دودمانِ گورگاں

پایۂ اسلامیاں برتر ازو
احترامِ شرعِ پیغمبر ازو

درمیانِ کارزارِ کفر و دیں
ترکشِ مارا خدنگِ آخریں

تخمِ الحادے کہ اکبر پرورید
باز اندر فطرتِ دارا دمید

شمعِ دل در سینہ ہا روشن نبود
ملت ما از فسادا ایمن نبود

حق گزید از ہند عالمگیر را
آں فقیرِ صاحبِ شمشیر را

★ جب میں دیکھتا ہوں کہ اس کے سینے کے اندر مضبوط دل نہیں ہے جو خوف و ہراس (کے اندیشوں) سے آزاد اور بے پرواہو۔

★ تو میں اسے اپنے پیکان کی نوک سے چاک چاک کر ڈالتا ہوں اور اسے لہو لہان کر دیتا ہوں۔ (اسے خونین پوشاک پہنا دیتا ہوں)

★ لیکن جب میں دیکھتا ہوں کہ وہ قلبِ مومن کی طرح پاک وصاف ہے اور اس کا ظاہر اس کے نور سے روشن ہے۔

★ تو اس کی روشنی اور حرارت سے میری جان پانی پانی ہو جاتی ہے اور میرا پیکان پگھل کر شبنم کی طرح ٹپک پڑتا ہے۔

شہنشاہ عالمگیر اور شیر کی حکایت

★ اورنگ زیب عالمگیر بڑی شان والا بادشاہ تھا۔ آسماں اس کے دربار کا آستانہ تھا۔ وہ خاندانِ گورگاں کا مایۂ ناز چشم و چراغ تھا۔ (گورگاں تیمور کا لقب تھا)

★ اُس نے مسلمانوں کے مرتبے کو بلند کیا اور شریعتِ محمدیؐ کے احترام اور وقار کو از سر نو قائم کیا۔

★ وہ کفر و دیں کے کارزار میں (اور اس کی مسلسل کشمکش میں جو صدیوں سے جاری تھی) ہمارے ترکش کا آخری تیر تھا۔

★ الحاد اور بے دینی کا بیج جسے اکبر نے بویا اور پروان چڑھایا تھا وہ از سرِ نو دارا کی فطرت میں پیدا ہوا۔

★ اس کے نتیجے میں سینوں کی شمعیں بے نور ہو گئیں اور ہماری ملت اس کے فتنہ و فساد سے محفوظ نہ رہ سکی۔

★ لہٰذا حق تعالیٰ نے ہندوستان میں عالمگیر کو اس کے استیصال (بیخ کنی) کے لیے منتخب کیا جو صاحب شمشیر تھا اور بادشاہ ہوتے ہوئے بھی درویشانہ زندگی بسر کرتا تھا۔

از پئے احیائے دیں مامور کرد		بہرِ تجدیدِ یقیں مامور کرد
برقِ تیغش خرمنِ الحاد سوخت		شمعِ دیں در محفلِ ما بر فروخت
کور ذوقاں داستانہا ساختند		وسعتِ ادراکِ او نشناختند
شعلۂ توحید را پروانہ بود		چوں براہیمؑ اندریں بتخانہ بود

درصفِ شاہنشہاں یکتاستے
فقرِ او از ترتبش پیداستے

روزے آں زیبندۂ تاج و سریر		آں سپہدار و شہنشاہ و فقیر
صبحگاہاں شد بہ سیرِ بیشۂ		با پرستارِ وفا اندیشۂ
سرخوش از کیفیتِ بادِ سحر		طائراں تسبیح خواں بر ہر شجر
شاہِ رمز آگاہ شد محوِ نماز		خیمہ برزد در حقیقت از مجاز
شیرِ بر آمد پدید از طرفِ دشت		از خروشِ او فلک لرزندہ گشت
بوئے انساں دادش از انساں خبر		پنجہ عالمگیر را زد بر کمر

★ خُدا نے اسے دین کے احیاء پر مامور و مقرر کیا تاکہ اس کے ذریعے ایمان و یقین کی تجدید ہو اور بُجھے ہوئے دل ایمان کے نور سے روشن ہو جائیں۔

★ اس کی تیغ کی بجلیوں نے الحاد کے خرمن کو جلا کر رکھ دیا اور ہماری انجمن میں دین و ایمان کی شمعیں روشن کیں۔

★ لیکن کور ذوق اور بد باطن لوگوں نے اس کے خلاف داستانیں گھڑ لیں اور اس کے عقل و شعور کی وسعتوں کو سمجھنے سے قاصر رہے۔

★ وہ دراصل شمع توحید کا پروانہ تھا اور اس سرزمین کے صنم کدے میں حضرت ابراہیمؑ کے مانند تھا۔

★ وہ دنیا بھر کے بادشاہوں میں یکتا اور بے مثال تھا۔ اس کی درویشی اور فقیرانہ زندگی کی شان آج بھی اُس کے مزار سے نمایاں ہے۔

★ ایک دن وہ تخت و تاج کو زیب دینے والا اورنگ زیب، جو زبردست سپہ سالار تھا اور بیک وقت شہنشاہ اور فقیر تھا۔

★ صبح سویرے اپنے ایک جاں نثار اور وفادار مصاحب کے ساتھ جنگل کی طرف سیر کے لیے نِکلا۔

★ نسیمِ سحر کے خوشگوار جھونکوں سے مست و سرشار ہو کر طائرانِ خوش نوا درختوں پر بیٹھے خدا کی حمد و ثنا میں نغمہ سرائی کر رہے تھے۔

★ بادشاہ جو دانائے راز اور حقیقت آشنا تھا نمازِ فجر میں مشغول ہو گیا اور مجاز سے حقیقت کی دنیا میں خیمہ زن ہو گیا۔ (دنیا سے منہ موڑ کر خدا کی یاد میں محو ہو گیا۔)

★ اچانک ایک شیر ببر جنگل کی گھنی جھاڑیوں سے نمودار ہوا۔ اُس کی گرج سے آسمان بھی لرزنے لگا۔

★ اِنسانی جسم کی بُو نے اسے اِنسان کے وجود سے باخبر کیا اور اُس نے عالمگیر کی کمر پر پنجہ مارا۔

دستِ شہ نادیدہ خنجر برکشید — شرزہ شیرے را شکم از ہم درید

دل بخود راہے نداد اندیشہ را — شیرِ قالیں کرد شیرِ بیشہ را

باز سوئے حق رمید آں ناصبور — بود معراجش نمازِ با حضور

ایں چنیں دِل خود نما و خود شکن — دارد اندر سینۂ مومن وطن

بندۂ حق پیشِ مولیٰ لاستے — پیشِ باطل از نعم برجاستے

تو ہم اے ناداں دلے آور بدست — شاہدے را محملے آور بدست

خویش را در بازوئے خود را باز گیر — دام گستر از نیاز و ناز گیر

عشق را آتش زنِ اندیشہ کن — روبۂ حق باش و شیری پیشہ کن

خوفِ حق[1] عنوانِ ایمان است و بس

خوفِ غیر از شرک پنہاں است و بس

---

[1] (سورہ مائدہ: آیت ٦٩) مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ٥ جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور پچھلے دن پر اور نیک عمل کرے، اُن پر نہ ڈر ہے اور نہ وہ غم کھائیں گے۔

★ بادشاہ نے فوراً بغیر دیکھے خنجر کھینچ لیا۔ اور اس خوفناک شیر کے شکم کو چاک کر کے رکھ دیا۔

★ اُس نے اپنے دِل میں ذرّہ برابر بھی خوف کو جگہ نہ دی اور اس جنگل کے شیر کو شیرِ قالین بنا ڈالا۔ (گویا وہ زندہ شیر نہ تھا بلکہ قالین پر شیر کی تصویر تھی۔)

★ شیر کو ہلاک کرتے ہی وہ پھر مضطرب عاشق کی طرح خدائے واحد کی جانب رجوع ہو گیا، کیونکہ نماز با حضور اس کے لیے معراجِ مسلمانی تھی۔

★ الغرض مومن کے سینے میں اس قسم کا دِل متمکن ہوتا ہے جو بیک وقت خود نماز (یعنی مظہر خودی) اور خود شکن (نفس کش) ہوتا ہے[1]۔

★ بندۂ حق اپنے مولا کے حضور خود کو "لا" (= نہیں) یعنی ہیچ تصور کرتا ہے۔ (اور نفیٔ ذات کا اظہار کرتا ہے) لیکن باطل کے سامنے 'نعم' (= ہاں) بن کر ڈٹ جاتا ہے[2]۔

★ اے نادان! تو بھی ایسا دِل حاصل کر جو شاہدِ ازل کے لیے محل کا کام دے سکے۔

★ اپنی ذات کی بازی لگا اور خود کو از سرِ نو حاصل کر (یعنی خود سپردگی یا بےخودی کے ذریعے خودی کی تعمیر کر) نیازمندیوں کے جال پھیلا اور اس میں ناز کے جلووں (خدائی صفات) کو حاصل کر۔

★ عشق کی آگ سے عقل و خرد (اور وہم و گمان) کے خرمن کو پھونک ڈال۔ خدا کی روبہ بن اور پیشۂ شیری اختیار کر (تسلیم و رضا اختیار کر اور نائبِ خُدا بن جا)۔

★ خُدا کا خوف ایمان (کے صحیفہ) کی سُرخی ہے۔ اور غیر خدا کا خوف شرک کی سیاہی ہے۔ (غیر خدا کے خوف میں شرک پنہاں ہے)۔

---

[1] یعنی روحانی اعتبار سے خودی کا حامل اور نفسانی اعتبار سے خود شکن

[2] اپنی خودی یا انا کا مظہر بن کر ڈٹ جاتا ہے۔ (اثباتِ خودی کا اظہار کرتا ہے)

رُکنِ دُوم

رِسالت

تارکِ "آفل" براہیم خلیل [1] انبیا را نقشِ پائے او دلیل

آں خُدائے لم یزل را آیتے [2] داشت در دِل آرزوئے ملّتے

جوئے اشک از چشم بیخوابش چکید تا پیامِ طٰہٰ اَبیتُ شنید

بہرِ ما ویرانہ آباد کرد طائفاں را خانۂ بنیاد کرد

---

[1] تارکِ آفل: سورۃ الانعام (آیات ۷۵ سے ۷۹) آیت: ۷۶ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَآ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝

چنانچہ جب رات اس پر طاری ہوئی تو اُس نے ایک تارا دیکھا۔ کہا یہ میرا رب ہے۔ مگر جب وہ ڈوب گیا تو بولا۔ ڈوب جانے والوں کا تو میں گرویدہ نہیں ہوں .... الخ

[2] البقرۃ (۱۲۷ - ۱۲۸) رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠

اور یاد کرو جب ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اس گھر کی دیواریں اُٹھا رہے تھے تو دُعا کرتے جاتے تھے: اے ہمارے رب! ہم سے یہ خدمت قبول فرما لے۔ تو سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اے رب، ہم دونوں کو اپنا مطیع فرمان (مسلم) بنا۔ ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا جو تیری فرمانبردار (مُسلم) ہو۔

رکنِ دوم

رسالت

★ حضرت ابراہیم خلیل اللہ تارک آفل تھے (جنھوں نے "لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ" فرمایا تھا یعنی میں ڈوبنے والے چاند سورج کی پرستش نہیں کرتا) اُن کے نقشِ پا انبیا کے لیے مشعلِ راہ تھے۔

★ وہ پیغمبر تھے اور خدائے لم یزل کی ایک نشانی تھے۔ وہ اپنے دِل میں ملّت کی آرزو رکھتے تھے اور اس کے لیے دُعا مانگتے تھے۔

★ وہ شب و روز اپنی بے خواب آنکھوں سے اشک بہاتے رہتے یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ کی جانب سے انھیں یہ مسرت بخش پیغام آیا کہ عبادت کرنے والوں کے لیے میرے گھر کو پاک و صاف رکھو۔[1]

★ اُنھوں نے ہمارے لیے ایک ویران جگہ کو آباد کیا اور خانۂ کعبہ کی بنیاد رکھی، جس کے آس پاس مختلف قبائل آباد ہو گئے۔[2]

---

[1] البقرۃ (آیات ۱۲۵-۱۲۶) وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝

(اور یہ کہ ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لیے مرکز اور امن کی جگہ قرار دیا تھا۔ لوگوں کو حکم دیا تھا کہ ابراہیمؑ جہاں نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے اس مقام کو مستقل جائے نماز بنالو) اور ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کو تاکید تھی کہ میرے اس گھر کو طواف اور اعتکاف اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک و صاف رکھو۔

[2] سورہ ابراہیم۔ آیت ۳۷: ربنا انی اسکنت من ذریتی .... یشکرون

(پروردگار میں نے ایک بے آب و گیاہ وادی میں اپنی اولاد کے ایک حصّے کو تیرے محترم گھر کے پاس بسایا ہے۔ پروردگار یہ مَیں نے اس لیے کیا کہ یہ لوگ یہاں نماز قائم کریں۔ لہٰذا تو لوگوں کے دِلوں کو ان کا مشتاق بنا اور کھانے کو پھل دے تاکہ یہ شکرگزار بنیں۔

تا نہالِ تُبّ علینا غنچہ بست — صورتِ کارِ بہارِ ما نشست

حق تعالیٰ پیکرِ ما آفرید — وز رسالت در تنِ ما جاں دمید

حرفِ بے صوت اندریں عالم بُدیم — از رسالت مصرعِ موزوں شُدیم

از رسالت در جہاں تکوینِ ما — از رسالت دینِ ما آئینِ ما

از رسالت صد ہزار ما یک است — جزوِ ما از جزوِ ما لا ینفک است[1]

آں کہ شانِ اوست یَهدِی مَن یُرِید — از رسالت حلقہ گردِ ما کشید[2]

حلقۂ ملّت محیط افزا ستے — مرکزِ او وادیٔ بطحا ستے

ما ز حکمِ نسبتِ او ملّتیم — اہلِ عالم را پیامِ رحمتیم

---

[1] كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ (البقرۃ : ۲۱۲)
پہلے تو سب لوگوں کا ایک ہی مذہب تھا۔ (لیکن وہ آپس میں اختلاف کرنے لگے، تو خدا نے ان کی طرف بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے پیغمبر بھیجے۔)

[2] وَ ما كان الناس الا أُمّةً واحدةً فاختلفوا (سورۂ یونس : ۱۹)
اور لوگ جو ہیں سو ایک ہی اُمّت ہیں اور پیچھے جدا جدا ہوئے۔ (نیز ملاحظہ ہو سورۂ مائدہ : ۴۸ + سورۂ ہود : ۱۱۸ + سورہ نحل : ۱۳ + سورۂ انبیا : ۹۲ + سورۂ مومنون : ۵۲)

★ اور خدائے واحد کی پرستش ہونے لگی۔ گویا دین کے گلشن (یا تب علینا یعنی عبادت کے نہال) میں غنچے نمودار ہو گئے اور اس طرح بہار کی آرائش شروع ہو گئی۔[1]

★ اور پھر خدا نے ہمارے پیکر یعنی ہماری ملّت کو پیدا کیا اور حضرت محمد صلعم کو ہمارے رسول بنا کر ملّت کے تنِ بے جان میں جان ڈال دی۔

★ ان سے پہلے ہماری حالت "حرف بے صوت" (بے معنی لفظ) کے مانند تھی لیکن رسالت مآب کے طفیل ہم مصرع موزوں بن گئے۔

★ رسالت ہی سے اس جہان میں ہماری ملّت کا وجود قائم ہوا۔ رسالت ہی کی وجہ سے ہمارے دین اور آئین کا قیام ہوا۔

★ اس کی وجہ سے ہم لاکھوں کی تعداد میں ہوتے ہوئے بھی ایک ہیں۔ (اور کثرت میں وحدت کا منظر پیش کرتے ہیں) اور ہماری ملّت کا ہر جزو دوسرے جزو کا اٹوٹ حصّہ بنا ہوا ہے۔

★ وہ جس کی شان میں آیۂ شریفہ یہدی من یرید نازل ہوئی ہے اس نے ہمارے اردگرد رسالت کا حلقہ کھینچ ڈالا ہے اور ہمیں ایک ملّت میں منسلک کر ڈالا۔[2]

★ ملّت کا یہ حلقہ ایسا ہے جس کا محیط بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ اس عالمگیر محیط کا مرکز بطحا کی وادی ہے۔

★ ہم اس کی نسبت اور تعلق سے ایک ملّت (اسلامی ملّت) کی شکل میں قائم ہیں، اور دنیا کے لیے رحمت کا پیام ہیں۔[3] (مسلمانوں کے رسول تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں لہٰذا اُمّتِ محمّدی بھی بمنزلہ رحمت ہے۔)

---

[1] (البقرة: ۱۲۸) وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ج

ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر کر۔

[2] وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍ م بَيِّنٰتٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ه (الحج: ۱۶)

اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو اُتارا ہے جس کی تمام باتیں کھلی ہوئی ہیں، اور یہ یاد رکھو کہ خدا جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ [3] وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ه (انبیاء: ۱۰۷)

اور اے محمدؐ ہم نے تم کو تمام جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

از میانِ بحرِ او خیزیم ما — مثلِ موج از ہم نمیریزیم ما

اُمّتش در حرزِ دیوارِ حَرَم — نعرہ زن مانند شیران در اجم

معنیٔ حرفم کنی تحقیق اگر — بنگری با دیدۂ صدیقؓ اگر

قوّتِ قلب و جگر گردد نبیؐ — از خدا محبوب تر گردد نبیؐ

قلبِ مومن را کتابش قوّت است[۱] — حکمتش "حَبلُ الوَرید" ملّت است

دامنش از دست دادن مردن است — چوں گُل از بادِ خزاں افسردن است

زِندگی قوم از دمِ او یافت است — ایں سحر از آفتابش تافت است

فرد از حق ملّت از وے زندہ است — از شعاعِ مہرِ او تابندہ است

ل لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ج (الحدید : ۲۵)

ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھُلی نشانیاں دے کر بھیجا اور اُن پر کتابیں نازل کیں۔ اور ترازو (یعنی قواعدِ عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ه هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ه یہ کتاب (قرآن مجید) اس میں کچھ شک نہیں کہ کلامِ خدا ہے اور خدا سے ڈرنے والوں کی رہنما ہے۔

★ ہم اس ملت کے بحر میں موجوں کی طرح باہم لہراتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے سے جُدا نہیں ہوتے۔ (ہمارے درمیان اتحاد رہتا ہے۔ اختلاف نہیں ہوتا)

★ اس کی اُمت یعنی پیروانِ نبیؐ بیت الحرام کی حفاظت کی خاطر جنگل کے شیروں کی طرح گرجتے ہیں۔

★ اگر تو میرے کلام کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرے اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ (جو عاشقِ رسولؐ تھے) کی آنکھوں سے اس حقیقت کو دیکھے تو تجھے پتہ چلے گا کہ:

★ ہمارے نبیؐ ہی ہمارے قلب و جگر کی قوت و توانائی (کا باعث) ہیں اور ہمیں خدا سے بھی زیادہ محبوب و مرغوب ہیں۔

★ اس کی کتاب (قرآن مجید) مومن کے قلب کو قوت و توانائی عطا کرتی ہے اور اس کی حکمت و دانش ملت کی جان (گردن[1] کی رگ) ہے[2]۔

★ اس کے دامن کو ہاتھوں سے چھوڑنا موت کے برابر ہے، اور بادِ خزاں کے ہاتھوں پھول کی طرح مُرجھانا ہے۔

★ اسی کے دم سے ملت وجود میں آئی ہے (یا قوم نے زندگی پائی ہے) یہ وہ سحر ہے جو اس کے آفتاب سے جلوہ گر ہوئی ہے۔

★ فرد خدا کی وجہ سے زندہ ہے لیکن ملت اس کی وجہ سے زندہ ہے۔ (ملت کی شیرازہ بندی رسالت سے ہوئی ہے) اور اس کے مہر کی شعاع سے روشن اور تابناک ہے۔

---

[1] شعر میں حبل الورید انتہائی قرب کے لیے بطور استعارہ استعمال کیا گیا ہے۔

[2] وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ٥ (سورہ قٓ: ۱۶)

اور ہم ہی نے انسان کو پیدا کیا ہے اور جو خیالات اس کے دل میں گزرتے ہیں ہم ان کو جانتے ہیں۔ اور ہم اس کی رگِ جان سے بھی اس سے زیادہ قریب ہیں۔

از رسالت ہم نوا گشتیم ما　　　ہم نفس ہم مدّعا گشتیم ما

کثرتِ ہم مدّعا وحدت شود　　　پختہ چوں وحدت شود ملّت شود

زندہ ہر کثرت ز بندِ وحدت است　　　وحدتِ مسلم ز دینِ فطرت است

دینِ فطرت از نبیؐ آموختیم　　　در رہِ حق مشعلے افروختیم[1]

ایں گہر از بحرِ بے پایانِ اوست　　　ما کہ یکجانیم از احسانِ اوست

تا نہ ایں وحدت ز دستِ ما رود　　　ہستیِ ما با ابد ہمدم شود

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد　　　بر رسولِ ما رسالت ختم کرد

رونق از ما محفلِ ایام را　　　او رُسل را ختم و ما اقوام را

---

[1] فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ (الروم : ۳۰)

تو تم ایک طرف ہو کر دین (خدا کے رستے) پر سیدھا رُخ کیے چلے جاؤ اور خدا کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اختیار کیے رہو۔ خدا کی فطرت میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

★ رسالت ہی سے ہمارے درمیان ہم خیالی اور ہم آہنگی پیدا ہوئی ہے۔ اسی سے ہمارا مدّعا اور منزل بھی ایک ہے۔ جس پر ہم ایک ساتھ گامزن ہیں۔ (ہمدم اور ہم قدم ہیں۔)

★ جب لوگوں میں ایک ہی مدعا اور مقصد پیدا ہوتا ہے تو کثرت میں وحدت پیدا ہوتی ہے اور جب وحدت پختہ ہوتی ہے تو ملّت بنتی ہے۔

★ ہر کثرت (جماعت یا قوم) وحدت کی پابندی سے زندہ و پائندہ ہوتی ہے۔ مسلمانوں کی وحدت اِسلام سے قائم ہے جو دینِ فِطرت ہے۔

★ ہم نے اِس دینِ فطرت کو رسولِ مقبول حضرت محمد صلعم سے سیکھا ہے اور اس طرح ہم نے راہِ حق میں مشعل روشن کی ہے۔

★ وحدت کا یہ موتی ہم نے اس کے بیکراں سمندر (اس کی ذات اور تعلیمات) سے حاصل کیا ہے۔ ہمارے درمیان جو اخوت، یکدلی اور یکجانی ہے، اس کے احسان کی بدولت ہے۔

★ اگر اس کی پیدا کردہ وحدت اور اخوت ہمارے ہاتھ سے نہ چھوٹے تو ہماری ہستی ابد سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔ (یعنی ہماری ملت ہمیشہ قائم و دائم رہ سکتی ہے۔)

★ لہٰذا خداوند تعالیٰ نے ہمارے لیے شریعت کو مکمّل کیا (اور فرمایا واکملتُ لکم دینکم) اور ہمارے رسولؐ پر رسالت ختم کی (یعنی رسالت کے مقصد کی تکمیل ہوئی۔)

★ اب محفلِ ایّام یعنی بزمِ جہاں میں ہماری ہستی سے رونق ہے۔ وہ رسولوں کے خاتم ہیں اور ہم اُمّتوں کے خاتم ہیں۔ جس طرح رسولؐ "خاتم المرسلینؐ" ہیں اسی طرح ان کی اُمّت "خاتم الامم" ہے۔

ا اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ (سورۂ مائدہ: ۳) آج ہم نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمھارے لیے اسلام کو پسند کیا۔

۲ مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ؕ محمدؐ تمھارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں بلکہ خدا کے پیغمبر اور نبیوں (کی نبوت) کی مہر (یعنی اس کو ختم کر دینے والے ہیں۔) اور خدا ہر چیز سے واقف ہے۔

خدمتِ ساقی گری با ما گذاشت   داد مارا آخریں جامے کہ داشت

لَانَبِیَّ بَعْدِیْ ز احسانِ خداست   پردۂ ناموسِ دینِ مصطفیٰ است[1]

قوم را سرمایۂ قوّت ازو   حفظِ سرِّ وحدتِ ملّت ازو

حق تعالیٰ نقشِ ہر دعویٰ شکست   تا ابد اسلام را شیرازہ بست

دِل ز غیر اللہ مسلماں بر کند

نعرۂ لَاقَوْمَ بَعْدِیْ می زند

در معنیٰ ایں کہ مقصودِ رسالت محمّدیہ تشکیل و تاسیسِ حُرّیت و مساوات و اخوّتِ بنی نوعِ آدم است

بود اِنساں در جہاں اِنساں پرست   ناکس و نابود مند و زیر دست

سطوتِ کسریٰ و قیصر رہزنش   بندہا در دست و پا و گردنش

---

[1] حدیث شریف: اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ ہ
میں نبیوں کے سلسلے کو ختم کرنے والا نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

★ اِس طرح دنیا کی ساقی گری کی خدمت ہمارے سپرد کی گئی اور ہمیں آخری جامِ شریعت عنایت کیا گیا۔[1]

★ یہ احسانِ خداوندی ہے جو حضور نے فرمایا کہ میرے بعد اب کوئی اور نبی نہیں ہوگا (لا نبی بعدی) لہٰذا اس سے دینِ مصطفےٰ کی (حقیقت) اور عزّت و وقار کا پتہ چلتا ہے۔ نبیؐ کا یہ قول دینِ ناموس کا پردہ ہے۔

★ اسی سے ملت اسلامیہ کی قوّت و توانائی قائم ہے، اور ملّت وحدت کا راز بھی ختمِ رسالت میں پوشیدہ اور محفوظ ہے۔ (حضورؐ سے محبّت و عقیدت سے قائم ہے)

★ حق تعالیٰ نے اس ملت کی تکمیل کر کے دوسری تمام ملتوں یا قوموں کے دعووں کو باطل قرار دیا ہے اور اسلام کے شیرازہ کو ابد تک محفوظ کر دیا ہے۔[2]

★ اس لیے مسلمان اپنا دل غیر اللہ سے ہٹا لیتا ہے اور "لا قوم بعدی" (یعنی میرے بعد کوئی بہتر قوم پیدا نہیں ہو سکتی) کا نعرہ بلند کرتا ہے۔ (جس طرح پیغمبر کا قول تھا "لا نبی بعدی" یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا اور جس طرح محمدؐ سب سے اچھے پیغمبرؐ تھے اِس طرح ان کی امت سب سے اچھی اُمّت ہے)

اس باب میں کہ رسالتِ محمّدی کا مقصود بنی نوع آدم کی حرّیت، مساوات اور اخوّت کی تشکیل و تاسیس ہے

★ دُنیا میں پہلے انسان، انسان کی پوجا کرتا تھا۔ وہ بڑی بے بسی، ذلّت، محکومی و غلامی کی زندگی بسر کرتا تھا۔

★ قیصر و کسریٰ (بادشاہوں کی شان و شوکت نے اسے لوٹ لیا تھا اور اس کے ہاتھ پاؤں میں زنجیریں اور گلے میں طوق ڈال دیے تھے۔

---

[1] بے خبر تو جوہرِ آئینۂ ایام ہے — تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

[2] کیونکہ ملّتِ اسلامیہ کے علاوہ ہر ملّت کی اساس غیر فطری اصولوں پر قائم ہے۔ مثلاً رنگ و نسل و جغرافیائی اساس پر۔

کاہن و پاپا و سلطان و امیر | بہرِ یک نخچیر صد نخچیر گیر
صاحبِ اورنگ و ہم پیرِ کنشت | باج بر کشتِ خرابِ او نوشت
در کلیسا اسقفِ رضواں فروش | بہرِ ایں صیدِ زبوں دامے بدوش
برہمن گُل از خیابانش ببرد | خرمنش مُغ زادہ با آتش سپرد
از غلامی فطرتِ او دوں شدہ | نغمہ ہا اندر نئے او خوں شدہ
تا امینے حق بہ حقداراں سپرد | بندگاں را مسندِ خاقاں سپرد
شعلہ ہا از مردہ خاکستر کشاد | کوہکن را پایۂ پرویز داد
اعتبارِ کار بنداں را فزود | خواجگی از کار فرمایاں ربود
قوتِ او ہر کہن پیکر شکست | نوعِ انساں را حصارِ تازہ بست
تازہ جاں اندر تنِ آدم دمید | بندہ را باز از خداونداں خرید
زادنِ او مرگِ دُنیائے کہن | مرگِ آتش خانہ و دَیر و شمن
حرّیت زاد از ضمیرِ پاکِ او | ایں مئے نوشیں چکید از تاکِ او

★ پوپ، کاہن، بادشاہ اور امیر، الغرض ایک انسان کو شکار کرنے کے لیے سو شکاری موجود تھے۔

★ تخت نشین بادشاہ ہو یا کلیسا کا بوڑھا پادری، سب ہی اس کی اجڑی ہوئی کھیتی سے جبراً محصول طلب کرتے تھے۔

★ کلیسا کا جنت فروش اسقف (پادری) بھی اس صید زبوں (بدحال شکار) کو شکار کرنے کے لیے ہمیشہ دام بدوش (کاندھوں پر جال لیے) رہتا تھا۔

★ برہمن اس کے گلشن سے پھول توڑ لے جاتا اور آتشکدہ کا مجوسی (پروہت) اس کے خرمن کو (آتش کدے کی) آگ کی نذر کر دیتا تھا۔

★ غلامی نے اس کی فطرت کو پست اور ذلیل و خوار بنا دیا تھا، اور اس کی (حیات کی) نے کے نغمے لہولہان ہو چکے تھے۔

★ زمانہ اسی طرح گزرتا گیا۔ یہاں تک کہ اللہ کا رسول امین بن کر آیا۔ اس نے حقداروں کو ان کے حق دلائے۔ اس نے بندوں اور غلاموں کو آقاؤں اور شاہوں کے تخت و تاج دلا دیے۔

★ اس نے مُردہ خاکستر سے شعلے پیدا کیے اور کوہکنوں (مزدوروں) کو پرویز (بادشاہوں) کا مقام عطا کیا۔

★ اس نے محنت کشوں کے وقار کو بلند کیا اور آقاؤں اور حاکموں سے خواجگی اور آقائی چھین لی۔

★ اس کی قوت نے تمام پُرانے پیکروں (رسم و رواج اور طور طریق) کو توڑ دیا اور نوعِ انسان کے لیے نیا نظامِ زندگی اور نیا حِصار (قلعہ) تعمیر کیا۔

★ اس نے اِنسان کے تنِ بے جان میں نئی جان پھونکی۔ اس نے بندوں کو آقاؤں کے چنگل سے چھڑا کر (خرید کر) آزاد کیا۔

★ اس کی پیدائش قدیم دُنیا (قدامت پرستوں) کے لیے موت کا پیغام تھی اور آتش کدوں، شوالوں اور بتکدوں کے حق میں موت کا اعلان تھا۔

★ اس کے ضمیرِ پاک سے اِنسانوں میں حریت اور آزادی کا جذبہ پیدا ہوا۔ یہ پرکیف شراب اسی کی تاک (انگور کی بیل) سے ٹپکی ہے۔ (یا تراوش یا کشید کی گئی ہے۔)

عصرِ نو کایں صد چراغ آوردہ است | چشم در آغوشِ او وا کردہ است

نقشِ نو بر صفحۂ ہستی کشید | اُمّتے گیتی کشائے آفرید

اُمّتے از ماسوا بیگانۂ | بر چراغِ مصطفیٰ[۱] پروانۂ

اُمّتے از گرمیٔ حق سینہ تاب | ذرّہ اش شمع حریمِ آفتاب

کائنات از کیفِ او رنگیں شدہ | کعبہ ہا بُت خانہ ہائے چیں شدہ

مرسلانِ و انبیا آبائے او | اکرمِ او نزدِ حق اتقائے او[۲]

کُلّ مُؤمِنٍ اِخوَۃٌ اندر دِلش | حُرّیت سرمایۂ آب و گِلش

ناشکیبِ امتیازات آمدہ | در نہادِ او مساوات آمدہ

ہمچو سرو آزاد فرزندانِ او | پختہ از قَالُوْ بَلٰی پیمانِ او

---

۱ (سورۃ الحجرات: ۱۳) یٰاَیُّھَا النَّاسُ ...... اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ط

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

۲ اوپر کی تلمیح کے علاوہ صفحہ ۵۲ کے شعر "از رسالت صد ہزار ما یک است" کی تلمیح بھی دیکھیں۔

★ دورِ جدید نے تہذیب و تمدن (اور سائنس اور ٹکنالوجی) کے صدہا چراغ روشن کیے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دورِ جدید نے بھی اپنی آنکھیں اسی کی آغوش میں کھولی ہیں۔

★ اس رسولؐ نے صفحۂ ہستی پر ایک نیا نقش کھینچا ہے (ایک نیا مذہب اور اسلامی نظام قائم کیا ہے) اور ایک ایسی اُمت پیدا کی ہے جو (دیکھتے دیکھتے) دنیا پر چھا گئی۔

★ وہ ایسی اُمّت ہے جو غیر اللہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتی اور چراغِ مصطفویؐ پر پروانہ وار نثار ہوتی ہے۔

★ ایسی اُمّت جس کا سینہ عشقِ الٰہی کی آگ سے روشن (اور پرسوز) ہے۔ اس کا ذرّہ (معمولی فرد) بھی آفتاب کی حریم کی شمع بنا ہوا ہے۔

★ اس کی تعلیمات اور روح پرور نظام کے کیف سے ساری کائنات رنگین بنی ہوئی ہے اور (کعبے) عبادت گاہیں چین کے بتخانے (جو نقش و نگار سے مزین ہوتے ہیں) بنے ہوئے ہیں۔

★ انبیاء اور مرسلین اس کے آباؤ اجداد تھے۔ بایں ہمہ "ان اکرمکم عند الله اتقاکم" کے مطابق وہ سیرت میں افضل تھا لہٰذا سب سے زیادہ عظیم و محترم تھا۔

★ اس کے دل میں "کل مومن اخوۃ" (یعنی تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں) کا جذبہ کارفرما تھا اور حرّیت اس کی ہستی کا سرمایہ تھی۔

★ چونکہ (حرّیت، اخوّت اور) مساوات کا جذبہ اس کی فطرت میں داخل تھا اس لیے وہ ہر قسم کے (رنگ و نسل، حسب و نسب اور ادنیٰ و اعلیٰ کے) امتیازات کا مخالف تھا۔

★ اس کے فرزند (اس کے پیرو) سرو کی طرح آزاد تھے۔ وہ روزِ ازل خدا سے کیے ہوئے بندوں کے عہد و پیمان (عشق) (اور احکامِ خداوندی کی پابندی) میں پختہ اور کامل[1] تھا۔

---

[1] وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ۚ شَهِدْنَا ۚ (الاعراف: ۱۷۲)

اور جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی اُن کی پیٹھوں سے ان کی اولاد نکالی تو اُن سے خود ان کے مقابلے میں اقرار کرالیا کہ (یعنی ان سے پوچھا کہ) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ وہ کہنے لگے کیوں نہیں، ہم گواہ ہیں کہ تو ہمارا پروردگار ہے۔

سجدۂ حق گُل بہ سیمایش زدہ
ماہ وانجم بوسہ بر پایش زدہ

حکایت بو عبیدہ و باجان در معنیٔ اخوّتِ اسلامیہ

شد اسیرِ مسلمے اندر نبرد — قائدے از قائدانِ یزد جرد
گبر باراں دیدہ و عیّار بود — حیلہ جُو و پُر فن و مکّار بود
از مقامِ خود خبر دارش نہ کرد — ہم ز نامِ خود خبر دارش نہ کرد
گفت می خواہم کہ جاں بخشی مرا — چوں مسلماناں امان بخشی مرا
کرد مسلم تیغ را اندر نیام — گفت خونت ریختن بر من حرام
چو درفشِ کاویانی چاک شد — آتشِ اولادِ ساساں خاک شد
آشکارا شد کہ جاباں است او — میرِ میرِ بازانِ ایران است او
قتلِ او از میرِ عسکر خواستند — از فریبِ او سُخن آراستند
بو عبید آن سیّدِ فوجِ حجاز — در وغا عزمش ز لشکر بے نیاز

★ بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریزی کی وجہ سے اس کی پیشانی پر پُر نور نشان پیدا ہو گیا تھا اور آسمان کے چاند تارے اس کے پائے مُبارک کو چومتے تھے۔

اسلامی اخوت سے متعلق بو عبید و جابان کی حکایت

★ شہنشاہِ ایران یزد جرد کا ایک سپہ سالار جنگ میں ایک مسلمان سپاہی کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔

★ وہ آتش پرست سپہ سالار بڑا تجربہ کار (اور گرگ باران دیدہ) تھا۔ وہ بڑا چالاک، حیلہ جو، دغاباز اور مکار تھا۔

★ اُس نے مسلمان غازی کو نہ تو اپنا نام بتایا اور نہ اپنے مرتبے سے آگاہی دی۔

★ اس نے التماس کی اور کہا کہ میری جان بخش دو اور جیسا کہ مسلمانوں کا شیوہ ہے، مجھے امان دو۔

★ اس مسلم سپاہی نے شمشیر نیام میں ڈال دی اور کہا کہ میں نے تجھے بخش دیا، اب تیرا خون مجھ پر حرام ہے۔

★ جب ایرانی پرچم (درفش کاویانی) چاک ہو گیا (یعنی ساسانیوں کو شکست ہوئی) اور جنگ کی آگ سرد (خاک) ہوئی۔ یعنی جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔

★ اس وقت اس حقیقت کا پتہ چلا کہ جس کی جاں بخشی ہوئی ہے وہ دراصل ایرانی لشکر کا سپہ سالار جابان ہے۔

★ لہٰذا اِسلامی لشکر کے امیر کو اس کی خبر کی گئی۔ اس کے مکر و فریب کا قصّہ بیان کیا گیا اور اس کے قتل کی درخواست کی گئی۔

★ حجازی لشکر کا امیر سپہ سالار بو عبید تھا، جس کے عزم و ہمت کا یہ عالم تھا کہ میدانِ جنگ میں وہ اپنے دستے کو چھوڑ کر تنِ تنہا دشمن پر ٹوٹ پڑتا تھا۔

گفت اے یاران مسلمانیم ما — تارِ چنگیم و یک آہنگیم ما

نعرۂ حیدرؓ نوائے بوذرؓ است — گرچہ از حلقِ بلالؓ و قنبرؓ است[1]

ہر یکے از ما امینِ ملّت است — صلح و کینش صلح و کینِ ملّت است

ملّت ار گردد اساسِ جانِ فرد — عہدِ ملّت می شود پیمانِ فرد

گرچہ جاباں دشمنِ ما بودہ است — مسلمے او را امان بخشودہ است

خونِ او اے معشرِ خیر الانام

بر دمِ تیغِ مسلماناں حرام

حکایتِ سلطان مُراد و معمار در معنیٔ مساواتِ اسلامیہ

بود معمارے ز اقلیمِ خجند — در فنِ تعمیر نامِ او بلند

ساخت آں صنعت گرِ فرہاد زاد — مسجدے از حکمِ سلطانِ مُراد

خوش نیامد شاہ را تعمیرِ او — خشمگیں گردید از تقصیرِ او

---

[1] حضرت بلالؓ اور حضرت قنبرؓ غلام تھے اور حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت ابوذر غفاری والا نسب تھے

★ اس سپہ سالار نے کہا کہ اے دوستو! ہم مسلمان ہیں اور ایک ہی ساز کے تار ہیں اور ہم خیال اور ہم آواز ہیں

★ جو بھی نعرہ حضرت بلالؓ و قنبرؓ کی زبان سے نکلتا ہے وہ نعرۂ حیدرؓ اور صدائے بوذرؓ سے الگ نہیں ہوتا۔

★ ہم میں سے ہر فردِ ملت کا امین اور محافظ ہے۔ اس کا پیمانِ صلح ملت کا پیمان ہے اور اس کا اعلانِ جنگ ملت کا اعلانِ جنگ ہے۔

★ جب کوئی ملت افراد کے جان و مال کی ذمہ دار (اساس) بن جاتی ہے تو وہ اس حد تک اس کی پاسداری کرتی ہے کہ فرد کا پیمان ملت کا عہد و پیمان بن جاتا ہے۔

★ اگرچہ سپہ سالار جابان ہمارا دشمن رہا ہے لیکن چونکہ ایک مسلمان نے اسے امان بخشی ہے،

★ لہٰذا، اے محمدؐ کے ماننے والو! (جو خیر البشر اور خیر الانام تھے) اس کا خون بہانا مسلمانوں کی تیغ کے لیے حرام ہے۔

اِسلامی مساوات سے متعلق سُلطان مُراد اور معمار کی حکایت

★ خجند میں ایک معمار تھا، اور عمارت سازی میں اپنے کمالِ فن اور ہنر مندی کے لیے بہت مشہور تھا۔

★ اس صنعت گر اور ہنر مند معمار نے (جو گویا فرہاد کا بیٹا تھا) سلطان مُراد کے حکم سے ایک مسجد تعمیر کی۔

★ لیکن بادشاہ کو اس کی تعمیر پسند نہیں آئی ۔ وہ اس کی تقصیر اور کوتاہی پر خشمناک ہوا۔

آتشِ سوزند از چشمش چکید		دستِ آں بیچارہ از خنجر بُرید

جوئے خوں از ساعدِ معمار رفت		پیشِ قاضی ناتوان و زار رفت

آں ہنر مندے کہ دستش سنگ سُفت		داستانِ جورِ سُلطاں باز گفت

گفت اے پیغامِ حق گفتارِ تو		حفظِ آئینِ محمدؐ کارِ تو

سفتہ گوشِ سطوتِ شاہان نیم		قطع کن از روئے قرآں دعویم

قاضیٔ عادل بدنداں خستہ لب		کرد شہ را در حضورِ خود طلب

رنگِ شہ از ہیبتِ قرآں پرید		پیشِ قاضی چوخطاکاراں رسید

از خجالت دیدہ برپا دوختہ		عارضِ او لالہ ہا اندوختہ

یک طرف فریادیٔ دعویٰ گرے		یک طرف شاہنشہِ گردوں فرے

گفت شہ از کردہ خجلت بردہ ام		اعتراف از جرمِ خود آوردہ ام

گفت قاضی فی القصاص[1] آمد حیٰوۃ		زندگی گیرد بایں قانوں ثبات

---

[1] ولکم فی القصاصِ حیٰوۃ یٰاُولِی الالباب لعلکم تتقون۔ (البقرہ = ۲-۱۷۹)
اے اہلِ عقل حکمِ قصاص میں تمھاری زندگانی ہے کہ تم قتل و خونریزی سے بچو۔

★ مارے غضب کے اس کی آنکھوں سے انگارے برسنے لگے اور اس نے طیش میں آکر خنجر سے اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا۔

★ اس کے بازو سے خون کی ندی بہہ نکلی اور وہ بے کس و ناتواں انسان گریہ وزاری کرتے ہوئے قاضی کے سامنے پہنچا۔

★ اس معمار نے جو اپنی چابکدستی اور ہنرمندی سے پتھروں کو تراشتا اور جوڑتا تھا۔ قاضی کے سامنے سلطان کے ظلم و ستم کی داستان بیان کی۔

★ اس نے قاضی سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اے قاضی! آپ کی زبان پر ہمیشہ پیغامِ حق ہوتا ہے۔ (آپ تو ہمیشہ حق بات کرتے ہیں) اور آئینِ محمدی کی حفاظت آپ کا شیوہ اور کام ہے۔

★ میں ایک آزاد مسلمان ہوں۔ میں کوئی بادشاہ کا حلقہ بگوش غلام نہیں ہوں، لہٰذا قرآن کی رو سے میرے دعوے کا فیصلہ صادر کیجیے۔

★ اس عدل پرور اور منصف مزاج قاضی نے مارے غضب کے اپنے دانتوں میں ہونٹ چبائے اور بادشاہ کو اپنے حضور طلب کیا۔

★ قرآن کی ہیبت سے بادشاہ کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا اور وہ خطاکاروں کی طرح قاضی کے سامنے پہنچا۔

★ مارے شرم سے اس کی نظریں اس کے قدموں پر گڑی تھیں اور اس کے رخسار لالہ کی طرح سُرخ تھے۔

★ عدالت میں ایک طرف فریادی تھا جو مدّعی بنا ہوا تھا اور دوسری جانب آسمان جیسی شان و شوکت رکھنے والا شہنشاہ تھا۔

★ بادشاہ نے کہا کہ میں اپنے کیے پر پشیمان ہوں اور اپنی خطا کا مجھے اعتراف ہے۔ میں اقبالِ جرم کرتا ہوں۔

★ اس پر قاضی نے آیہ شریفہ ولکم فی القصاص پڑھی اور کہا خدا فرماتا ہے کہ قصاص میں تمھاری زندگانی ہے۔ دراصل اس قانون سے زندگی کو ثبات حاصل ہوتا ہے۔

عبد مسلم کمتر از احرار نیست | خونِ شہ رنگیں تراز معمار نیست
چوں مراد ایں آیۂ محکم شنید | دستِ خویش از آستیں بیروں کشید
مدّعی را تابِ خاموشی نماند | آیۂ بالعدل والاحسانؔ خواند
گفت از بہرِ خدا بخشیدمش | از برائے مصطفیٰ بخشیدمش
یافت مورے بر سلیمانے ظفر | سطوتِ آئینِ پیغمبرؐ نگر

پیشِ قرآں بندہ و مولا یکے است
بوریا و مسندِ دیبا یکے است

در معنیٰ حُرّیتِ اسلامیہ و سرِّ حادثۂ کربلا

ہر کہ پیماں باہوالموجود بست | گردنش از بندِ ہر معبود رست
مومن از عشق است و عشق از مومن است | عشق را ناممکنِ ما ممکن است

ے اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ ج (۱۶۔ النحل ۹۰)
تحقیق خدا تمہیں عدل و احسان کرنے کا حکم دیتا ہے اور رشتہ داروں کو مدد دینے کا حکم دیتا ہے، اور نامعقول کاموں اور سرکشی سے منع کرتا ہے۔

★ ایک مسلمان غلام بھی احرار (آزاد) سے کسی طرح کمتر نہیں ہے اور بادشاہ کا خون ایک معمار سے زیادہ رنگین اور بیش قیمت نہیں ہے۔

★ جب مُراد نے یہ محکم آیت سُنی تو حکمِ خداوندی کی تعمیل کرتے ہوئے اپنی آستین سے ہاتھ باہر نکالا۔ (تاکہ اس کا ہاتھ قلم کیا جائے۔)

★ یہ دیکھ کر اس فریادی میں خاموش رہنے کی تاب نہیں رہی اور اس نے آیۂ بالعدل والاحسان (یعنی خدا تم کو عدل کرنے اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے) پڑھی۔

★ اور کہا کہ میں نے خدا کے واسطے اسے معاف کر دیا۔ میں نے اسے پیغمبرِ خدا حضرت محمدؐ صلعم کے لیے بخش دیا۔ (میں بدلے کے عوض احسان کرنا چاہتا ہوں)

★ آئینِ پیغمبر (یعنی قوانین الہٰی) کی شان و شوکت اور دبدبہ ملاحظہ کیجیے کہ ایک مور (معمولی معمار) نے سلیمان پر (یعنی سلطان مُراد پر) غلبہ حاصل کیا۔

★ قرآن کی نظر میں آقا اور بندہ، سب یکساں ہیں اور بوریا اور مسندِ دیبا (یعنی بوریا نشین اور دیبائی مسند پر بیٹھنے والے بادشاہ) میں کوئی فرق و امتیاز نہیں ہے۔

حرّیتِ اسلامیہ کے معنی اور حادثۂ کربلا کے رمز کا بیان

★ جو بھی خدائے موجود سے پیمانِ وفا باندھتا ہے اس کی گردن ہر قسم کے معبود کے طوق و بند سے آزاد ہوتی ہے۔[1]

★ مومن عشق سے ہے اور عشق مومن سے۔ مومن اور عشق لازم و ملزوم ہیں۔ عشق کے لیے ناممکن باتیں بھی ممکن ہو جاتی ہیں۔ عشق ناممکن کو بھی ممکن بنا دیتا ہے۔[2]

---

[1] یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے — ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

[2] بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق — عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

اقبالؒ

عقل سفاک است او سفاک تر   پاک تر، چالاک تر، بیباک تر

عقل در پیچاکِ اسباب و علل   عشق چوگاں بازِ میدانِ عمل

عشق صید از زورِ بازو افگند   عقل مکّار است و دامے می زند

عقل را سرمایہ از بیم و شک است   عشق را عزم و یقیں لاینفک است

آں کند تعمیر تا ویراں کند   ایں کند ویراں کہ آباداں کند

عقل چوں باد است ارزاں در جہاں   عشق کمیاب و بہائے او گراں

عقل محکم از اساسِ چون و چند   عشق عریاں از لباسِ چون و چند

عقل میگوید کہ خود را پیش کن   عشق گوید امتحانِ خویش کن

عقل با غیر آشنا از اکتساب   عشق از فضل است و با خود در حساب

عقل گوید شاد شَو آباد شَو   عشق گوید بندہ شَو آزاد شَو

عشق را آرامِ جاں حُرّیت است   ناقہ اش را ساربان حُرّیت است

آں شنیدستی کہ ہنگامِ نبرد   عشق با عقلِ ہوس پرور چہ کرد

★ عقل بڑی سفاک واقع ہوئی ہے لیکن عشق عقل سے بھی زیادہ سفاک (قاتل) اور زیادہ پاک، ہوشیار اور بیباک واقع ہوا ہے۔

★ عقل اسباب وعلل کے پیچاک اور سوچ بچار کی گتھیوں میں الجھ کر رہ جاتی ہے۔ اس کے برعکس عشق میدانِ عمل میں اپنا گھوڑا دوڑا دیتا ہے۔ (اور زندگی کو داؤں پر لگا دیتا ہے۔)

★ عشق اپنی قوت بازو سے صید کا شکار کرتا ہے۔ اس کے برعکس عقلِ عیار اپنے مکروفریب کے دام پھیلاتی ہے۔ (اور اس طرح شکار حاصل کرتی ہے۔)

★ عقل کا سرمایہ خوف اور شک ہے۔ اس کے برعکس عشق کے ساتھ عزم ویقین کا اٹوٹ رشتہ ہے، گویا وہ لازم وملزوم ہیں۔

★ عقل تعمیر کرتی ہے تاکہ اسے ویران کرے۔ عشق کا بظاہر تخریبی کام بھی تعمیر کی غرض سے ہوتا ہے۔ (خود غرض عقل کا انجام بُرا اور بے غرض عشق کا انجام اچھا ہوتا ہے۔)

★ عقل دنیا میں باد کی طرح ارزاں ہے۔ اس کے برعکس عشق کمیاب ونایاب شے ہے۔ اس لیے اس کی قیمت بھی گراں ہے۔

★ عقل کی تعمیر چون وچند (تخمین وظن یا حواس سے حاصل کردہ معلومات) کی اساس پر قائم ہے۔ اس کے برعکس عشق چون وچرا کے لباس سے بے گانہ ہوتا ہے۔

★ عقل کہتی ہے کہ خود کو پیش کر۔ عشق کہتا ہے کہ اپنی ذات کا امتحان لے۔ (عقل کہتی ہے "کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں" اس کے برعکس عشق کہتا ہے "یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ")

★ عقل حواس کے ذریعے اکتسابِ علم کرتی ہے اور طبیعی عالم سے آشنا ہو جاتی ہے۔ جو عینِ حقیقت نہیں بلکہ غیر ہے۔ اس کے برعکس عشق خود فضل وکمال ہے اور اپنا محاسبہ آپ کرتا ہے۔

★ عقل کہتی ہے کہ شاد رہ اور آباد رہ۔ عشق کہتا ہے کہ بندۂ خدا بن اور اس کے نتیجے میں آزاد بن اور حریت کا مظہر بن جا۔

★ حریت عشق کے لیے آرامِ جاں بنتی ہے۔ حریت ہی اس کے ناقہ کی ساربان بن کر اسے تیز گام کرتی ہے۔

★ کیا تم نے یہ واقعہ سنا ہے کہ ایک مرتبہ جنگ کے وقت عشق نے ہوس پرست عقل کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

آں امامِ عاشقاں، پورِ بتولؓ | سروِ آزادے زبستانِ رسولؐ

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر | معنیٔ "ذبحٍ عظیم" آمد پسر[1]

بہرِ آں شہزادۂ خیر الملل | دوشِ ختم المرسلیں نعم الجمل

سرخ رو عشقِ غیور از خونِ او | شوخیٔ ایں مصرع از مضمونِ او

درمیانِ اُمّت آں کیواں جناب | ہمچو حرفِ قل ھو اللہ در کتاب

موسیٰ و فرعون و شبیرؓ و یزید | ایں دو قوت از حیات آید پدید

زندہ حق از قوتِ شبیری است | باطل آخر داغِ حسرت میری است

چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت | حریت را زہر اندر کام ریخت

خاست آں سر جلوۂ خیر الامم | چوں سحابِ قبلہ باراں در قدم

---

[1] الصّٰفّٰت (۱۰۷) وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ۝

اور ہم نے ایک بڑی قربانی کو ان کا فدیہ دیا۔

(جب دونوں نے حکم مان لیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا تو ہم نے ان کو پکارا کہ اے ابراہیم! تم نے خواب کو سچا کر دکھایا۔ ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ صریح آزمائش تھی اور ہم نے ایک بڑی قربانی کو ان کا فدیہ دیا)

★ وہ عاشقانِ خدا کا امام، فرزندِ بتول اور بوستانِ رسول کا سروِ آزاد یعنی امام حسین رضی اللہ عنہٗ۔

★ اللہ اللہ، پدر بائے بسم اللہ تھا اور پسر "ذبحِ عظیم" کا مجسّم ترجمان تھا۔

★ اس شہزادۂ ملتِ اسلام کے لیے (جو بہترین ملت ہے) پیغمبرِ اسلام کا دوشِ مبارک (اونٹ کی) سواری کا کام دیتا تھا۔

★ اس شہیدِ اعظم خون کی سرخی سے عشقِ غیور (غیرت مند عشق) کو سرخروئی اور سرفرازی حاصل ہوئی۔ اس کی شہادت کے واقعہ نے اس مصرع کو شوخ تر بنادیا۔

★ اُمتِ رسول کے درمیان ان کی (آسماں رفعت اور فلک شکوہ) ذات ایسی ہی تھی جیسے قرآن میں "سورۂ قل ہو اللہ" کی ہے[1]

★ دنیا میں ہمیشہ دو مخالف قوتیں پیدا ہوتی رہی ہیں (اور برسرِ پیکار رہی ہیں) ایک جانب قوتِ خیر کے مظہر جیسے حضرتِ موسیٰ اور حضرتِ شبیرؑ اور دوسری جانب قوتِ شر کے مظہر جیسے فرعون و یزید[2]

★ قوتِ شبیری حق کو زندہ و پائندہ رکھتی ہے۔ اس کے برعکس باطل اس سے ٹکرا کر داغِ حسرت لیے فنا ہو جاتا ہے۔ (جیسے فرعون اور یزیدیوں کا انجام ہوا۔)

★ جب خلافت کا رشتہ قرآن سے ٹوٹ گیا (اور معاویہ نے اسلامی اصول کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنے نااہل بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا) تو حریت کے رگ و پے میں زہر سرایت کر گیا۔

★ تب وہ ملتِ اسلام کی روحِ رواں، ابرِ بہار بن کر کعبہ سے اُٹھا اور عراق کی جانب روانہ ہوا اور عراق کی سرزمین پر پہنچا۔

---

[1] سورۂ اخلاص: یعنی جس طرح سورۂ اخلاص (قل ہو اللہ اُحد) کا درجہ قرآن میں ہے۔ (یعنی یہ کہ رسول اللہ نے اس کو ایک تہائی قرآن کے برابر قرار دیا ہے) اسی طرح اس اُمت میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ کا مقام ہے۔

[2] ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز　　چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

بر زمینِ کربلا بارید و رفت　　لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت

تا قیامت قطعِ استبداد کرد　　موجِ خونِ او چمن ایجاد کرد

بہرِ حق در خاک و خوں غلطیدہ است　　پس بنائے لا الٰہ گردیدہ است

مدّعایش سلطنت بودے اگر　　خود نکردے با چنیں ساماں سفر

دشمناں چوں ریگِ صحرا لاتعد　　دوستانِ او بہ یزداں ہم عدد

سرّ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ بود　　یعنی آں اجمال را تفصیل بود[1]

عزمِ او چوں کوہساراں استوار　　پائدار و تند سیر و کامگار

تیغ بہرِ عزتِ دیں است و بس　　مقصدِ او حفظِ آئین است و بس[2]

ماسوا اللہ را مسلماں بندہ نیست　　پیشِ فرعونی سرش افگندہ نیست

خونِ او تفسیرِ ایں اسرار کرد　　ملّتِ خوابیدہ را بیدار کرد

---

[1] غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم　　نہایت اس کی حسینؓ ابتدا ہے اسماعیلؑ

[2] وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ

(البقرہ آیت: ۱۹۰) اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں۔ تم بھی خدا کی راہ میں ان سے لڑو، مگر زیادتی نہ کرنا کہ خدا زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

★ وہ بارشِ رحمت بن کر زمینِ کربلا پر برسا۔ اس نے اس ویران سرزمین کی اپنے اور آلِ رسُول کے خون سے آبیاری کی اور اسے لالہ زار بنا کر روانہ ہوگیا۔

★ اس نے قیامت تک کے لیے ظلم واستبداد کا خاتمہ کر دیا اور اس کے خون نے از سرِ نو چمنِ اسلام کی خابندی کی۔ (اپنے مقدّس خون سے گلشن اسلام کی آبیاری کی اور اسے پُر بہار بنا دیا)

★ اس نے حق کی خاطر اپنے آپ کو خاک و خون میں ملا دیا۔ اِس طرح بنائے "لا اِلٰہ" بن گیا[1] اور اسلام کی گرتی ہوئی دیوار کی از سرِ نو تعمیر کی۔

★ اگر اس کا مقصود حکمرانی ہوتا تو اتنے قلیل ساز و سامان اور اتنی مختصر جماعت کے ساتھ ایسی سرزمین کی طرف سفر نہ کرتا[2]

★ جہاں دشمن ریگِ صحرا کی طرح لاتعداد تھے اور دوستوں کی تعداد نہایت قلیل تھی۔ (گویا یزداں کی تعداد کے برابر تھی، جو ابجد کے حساب سے بہتّر[2] ہوتی ہے۔

★ اس کی ذات حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل (کے راز) کی مظہر تھی یعنی تسلیم و رضا اور ایثار و قربانی کی جو مثال انھوں نے اجمالی شکل میں پیش کی اس کی تفصیل حضرت شبیرؓ نے میدانِ کربلا میں پیش کی

★ اس کا حوصلہ پہاڑوں کی طرح مضبوط اور اٹل تھا۔ وہ مستقل مزاج، تیز گام اور (جذبۂ سرفروشی) میں کامگار تھا۔

★ اِسلام میں فقط دین کی حرمت کی خاطر تیغ زنی جائز ہے۔ جہاد کا مقصود شریعتِ محمّدی اور دین و ملت کے تحفظ کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

★ مُسلمان اللہ کے سوا کسی کی بندگی قبول نہیں کرتا۔ اس کا سر فرعون کے سامنے کبھی خم نہیں ہوتا۔

★ شبیرؓ کے خون نے اسی راز کی تفسیر پیش کی ہے اور اپنی اور اہلِ بیت کی قربانی دے کر اپنی خوابیدہ ملّت کو بیدار کیا ہے۔

---

[1] شاہ است حسین شہنشاہ است حسین — دین است حسین دین پناہ است حسین
سر داد و نداد دست در دست یزید — حقا کہ بنائے لا اِلٰہ است حسین

یہ رباعی خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کی جاتی ہے۔

[2] اگر امام حسین سلطنت کے خواہاں ہوتے تو اپنے خاندان کے افراد اور چند ساتھیوں کے ساتھ کوفہ کی جانب نہ جاتے۔

تیغِ لا چوں از میاں بیروں کشید	از رگِ اربابِ باطل خوں کشید
نقشِ اِلَّا اللہ بر صحرا نوشت	سطرِ عنوانِ نجاتِ ما نوشت
رمزِ قرآں از حُسینؑ آموختیم	ز آتشِ او شعلہ ہا اندوختیم
شوکتِ شام و فرِ بغداد رفت	سطوتِ غرناطہ ہم از یاد رفت
تارِ ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز	تازہ از تکبیرِ او ایماں ہنوز

اے صبا اے پیکِ دور افتادگاں

اشکِ ما بر خاکِ پاکِ او رساں

در معنیٔ ایں کہ چوں ملّتِ محمّدیہ موسّس بر توحید و رسالت است پس نہایتِ مرکانی ندارد

جوہرِ ما با مقامے بستہ نیست	بادۂ تندش بجامے بستہ نیست
ہندی و چینی سفالِ جامِ ماست	رومی و شامی گلِ اندامِ ماست
قلبِ ما از ہند و روم و شام نیست	مرز بومِ او بجز اسلام نیست

★ جب اس نے میان سے لا الٰہ کی تیغ کھینچی (یعنی اللہ کے سوا کسی فرعون یا یزید کا حکم نہیں چل سکتا) تو اربابِ باطل کی رگوں سے خون کے دھارے بہہ نکلے۔

★ اس نے صحرا کے سینے پر "الا اللہ" کا نقش تحریر کیا۔ (حق کے لیے باطل کے خلاف سرفروشی کی) اور ہماری نجات کے فرمان کی شرح لکھی۔ (اسلام کی تجدید کی جس کے نتیجے میں ہم نجات کے مستحق بنے۔)

★ ہم نے قرآن کے رمز کو حضرت حسینؓ سے سیکھا ہے اور اس (کے عشق) کی آگ سے انگارے چُنے ہیں (اور اس کے شعلۂ عشق سے اپنے دلوں کو پُرسوز بنایا ہے۔)

★ شامی حکومت کی شان و شوکت اور بغداد کی عبّاسی خلافت کا جاہ و جلال بھی ختم ہوگیا۔ اسی طرح اسپین کے غرناطہ کی سلطنت کے تجمّل و طمطراق کو بھلا دیا گیا۔

★ لیکن آج بھی ہماری حیات کے تار اس کی مضراب سے گونج رہے ہیں۔ اس کے نعرۂ تکبیر سے ہمارا ایمان آج بھی تازہ ہے۔

★ اے صبا! اے مہجوروں اور بچھڑے ہوؤں کی قاصد، اس سیّد الشہداء کے حضور ہمارا اسلام لے جا اور ہمارے اشکوں کے موتی اس کی خاکِ پاک پر نچھاور کر۔

اس باب میں کہ جب ملّتِ محمّدیہ کی اساس توحید اور رسالت ہے تو وہ حدودِ مکانی یعنی ملکی سرحدوں سے بے نیاز ہے

★ اسلامی جوہر کسی مقام سے وابستہ نہیں ہے۔ وہ قیدِ مکانی کا پابند نہیں ہے۔ اس کی تند شراب کسی ایک جام میں محدود نہیں ہو سکتی۔

★ ہمارے جام کی مٹی ہندی بھی ہے اور چینی بھی۔ ہمارے بدن کی خاک رومی بھی ہے اور شامی بھی۔ (چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا ⁝ مسلم ہیں ہم وطن ہیں سارا جہاں ہمارا)

★ لیکن ہمارا قلب ہندی رومی اور شامی نہیں ہے۔ اس کا مسکن اور اس کا وطن اسلام کے سوا اور کوئی سرزمین نہیں ہے۔

پیشِ پیغمبرؐ چو کعبِ پاک زاد	ہدیۂ آورد از بَانَتْ سُعَادُ
در ثنایش گوہرِ شب تاب سفت	سیفِ مسلول از سیوف الہند گفت[1]
آں مقامش برتر از چرخِ بلند	نامدش نسبت با قلیمے پسند
گفت سیف، من سیف اللہ گو	حق پرستی، جز براہِ حق مپو
ہمچناں آں رازدانِ جزو وکل	گردِ پایش سرمۂ چشمِ رسل
گفت با اُمّت "ز دنیائے شما	دوست دارم طاعت وطیب و نسا"
گر ترا ذوقِ معانی رہنماست	نکتۂ پوشیدہ در حرفِ شماست"
یعنی آں شمعِ شبستانِ وجود	بود در دنیا واز دنیا نبود
جلوۂ او قدسیاں را سینہ سوز	بود اندر آب وگل آدم ہنوز

---

[1] حضرت کعبؓ نبی کریمؐ کو بہت ایذا دیا کرتے تھے۔ فتحِ مکّہ کے بعد مکّہ سے بھاگ کر طائف وہاں سے قصیدہ "بانت سُعاد" لکھ کر حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے گزشتہ گناہوں کی معافی مانگی۔ حضورؐ نے ان کو معاف کر دیا اور قصیدے کے صلے میں اپنی چادر مبارک عطا فرمائی۔

★ جب نیک نہاد کعب نے طائف سے ایک قصیدہ "بانت سعاد" لکھ کر حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا جس میں حضورؐ کی مدح سرائی کی گئی تھی۔

★ اس نے آپ کی مدح میں تعریف کے جواہر پارے (گوہرِ شب تاب: رات کو روشن کرنے والے گوہر) نظم کیے۔ اس میں اس نے آپؐ کو ہندوستان کی تلواروں میں سے ایک تلوار کے الفاظ سے مخاطب کیا۔

★ تو سرورِ کائنات نے، جن کا مقام آسمان سے بھی بلند تر تھا، اس بات کو پسند نہیں فرمایا کہ آپؐ کی ذات کو کسی ملک سے منسوب کیا جائے۔

★ لہٰذا آپؐ نے فرمایا کہ: اے کعب ہند کی تلوار کے بجائے اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار کہو، کیونکہ حق پرست کو راہِ حق کے سوا کسی اور راہ پر نہیں چلنا چاہیے۔[1]

★ اس طرح اس رازدانِ جزو وکل نے، جس کے قدموں کی دھول پیغمبروں کی آنکھوں کا سُرمہ ہے۔ اپنی اُمّت سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

★ میں تمھاری دُنیا کی تین چیزوں کو دوست رکھتا ہوں اور وہ ہیں (۱) طاعت (نماز) (۲) خوشبو اور (۳) عورت

★ اگر تجھ میں ان کے ارشاد کے مفہوم کو سمجھنے کی صلاحیت ہے تو غور کر کہ "ز دنیائے شما" کے حرفِ شما میں ایک نکتہ پوشیدہ ہے۔

★ یعنی وہ شبستانِ وجود کی شمع اگرچہ اس دنیا میں تھی۔ یا ایں ہمہ اس دنیا سے نہ تھی۔ (وہ اس دنیا سے کوئی تعلق نہ رکھتی تھی۔)

★ اس کا جلوہ ملائک کے سینوں کو اس زمانے میں بھی روشنی اور گرمی پہنچاتا تھا جب آدم کی آب وگل سے تخلیق نہیں ہوئی تھی۔[2]

---

[1] اِس قصیدے میں کعب نے حضورؐ کو "سیفٌ مِن سیوف الہند" یعنی ہندوستان کی تلواروں میں سے ایک تلوار کے الفاظ سے مخاطب کیا، مگر حضورؐ نے کعبؓ کے مصرع میں اِصلاح دے کر فرمایا: "سیفٌ مِن سیوف اللہ" کہنا چاہیے۔ یعنی خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار۔

[2] حدیث: كُنْتُ نَبِيًّا وَّ آدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ ٥

میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم مٹی اور پانی کے درمیان تھے۔

من ندانم مرز و بومِ او کجاست — این قدر دانم کہ با ما آشناست

این عناصر را جہانِ ما شمرد — خویشتن را میہمانِ ما شمرد

زانکہ ما از سینہ جاں گم کردہ ایم — خویش را در خاکداں گم کردہ ایم

مسلم استی دل با قلیمے مبند — گم مشو اندر جہانِ چون و چند

می نہ گنجد مسلم اندر مرز و بوم — در دلِ او یاوہ گردد شام و روم

دل بدست آور کہ در پہنائے دِل
می شود گم این سرائے آب و گل

عقدۂ قومیّتِ مُسلم کشود — از وطن آقائے ما ہجرت نمود[1]

---

[1] (سورہ التوبہ : ۲۰) اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝
جو لوگ ایمان لائے اور وطن چھوڑ گئے اور خُدا کی راہ میں مال اور جان سے جہاد کرتے رہے۔ خُدا کے ہاں ان کے درجے بہت بڑے ہیں اور وہی مُراد کو پہنچنے والے ہیں۔
(سورۂ انفال آیات ۷۲، ۷۴، ۷۵ + سورہ النحل آیت ۴۱ + سورہ الحج آیت ۵۸ + سورۂ النساء آیات ۹۷، ۱۰۰ وغیرہ میں ہجرت سے متعلق مضامین ہیں۔

★ میں نہیں جانتا کہ اس کا مسکن اور وطن کہاں ہے، بس اس قدر جانتا ہوں کہ وہ ہمارا آشنا رہا ہے۔

★ اس نے عناصرِ اربعہ یعنی دنیائے آب و گل کو "ہماری دنیا" کہا اور خود کو ہمارا مہمان تصور کیا۔

★ چونکہ ہم نے اپنے سینوں سے جان کو (قلب و روح کو) گم کر دیا ہے، اس لیے ہم نے اپنے آپ کو اس خاکدان (دنیائے آب و گل) میں کھو دیا۔[1]

★ اگر تو مسلمان ہے تو کسی ملک سے اپنے دل سے وابستہ نہ کر (اور ملک کی حدود اربعہ میں خود کو قید نہ کر) اور اس طرح دنیائے چون و چند یعنی مادی اور فانی دنیا میں خود کو گم نہ کر۔[2]

★ مسلمان کسی دیار، کسی ملک کی سرحدوں میں سما نہیں سکتا۔ شام و روم کی سرحدیں اس کے دل میں گم (ناپید) اور بے معنی ہو جاتی ہیں۔

★ ہاں! دل کو حاصل کر کیونکہ دل کی وسعتوں میں آب و گل کی کائنات (سمندر میں قطرے کی طرح) گم ہو جاتی ہے۔

★ ہمارے رسول ﷺ نے مسلم کی قومیت کے عقدے کو سلجھایا ہے اور وطنیت کی حقیقت واضح کی ہے اور وہ یوں کہ خود ہمارے آقا نے اپنے وطن سے ہجرت اختیار کی ہے۔

---

1. (اور دنیاوی ناز و نعم اور عیش و عشرت کو مقصودِ حیات سمجھ رکھا ہے۔)

2. حدیث: حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلَاثٌ طِیْبٌ وَالنِّسَاءُ وَقُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ ٥

تمہاری دنیا میں سے تین چیزیں میرے لیے مرغوبِ طبع بنائی گئی ہیں۔ خوشبو، عورتیں اور نماز جس میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

حکمتش یک ملّتِ گیتی نورد	بر اساسِ کلمۂ تعمیر کرد
تا ز بخشش ہائے آں سلطانِ دیں	مسجدِ ما شد ہمہ روئے زمیں
آں کہ در قرآں خدا او را ستود	آں کہ حفظِ جانِ او موعود بود[1]
دشمناں بے دست و پا از ہیبتش	لرزہ بر تن از شکوہِ فطرتش
پس چرا از مسکنِ آبا گریخت؟	تو گماں داری کہ از اعدا گریخت؟
قصّہ گویاں حق ز ما پوشیدہ اند	معنیٔ ہجرت غلط فہمیدہ اند
ہجرت آئینِ حیاتِ مُسلم است	ایں ز اسبابِ ثباتِ مُسلم است
معنیٔ او از تنک آبی رم است	ترکِ شبنم بہرِ تسخیرِ یم است
بگذر از گل گلستاں مقصودِ تُست	ایں زیاں پیرایہ بندِ سودِ تُست
مہر را آزادہ رفتن آبروست	عرصۂ آفاق زیرِ پائے اوست

---

[1] یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ ؕ وَاِنۡ لَّمۡ
تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِیۡنَ ۝ ★ ★

★ اس کی حکمت نے ایک کلمہ کی اساس پر ایک عالمگیر ملّت کی تعمیر کی ہے۔ (اور یہ اساس کلمۂ توحید ہے، یہی حبل الورید ہے جو تمام مسلمانوں کے درمیان رشتۂ اخوت قائم کرتا ہے۔)

★ لہٰذا اس شہنشاہِ دین وملت کی بخششوں کے طفیل ساری روئے زمین ہماری مسجد بن گئی ہے۔ (حضورؐ نے فرمایا تھا کہ میرے لیے روئے زمین مسجد بن گئی ہے۔)

★ وہ پیغمبر جس کی ستائش خود خدا نے قرآن میں کی ہے اور جس کی جان کی حفاظت کا وعدہ خود خدا نے کیا۔

★ اور جس کی ہیبت وجلال سے اس کے دشمن بے بس و عاجز تھے اور جس کی بارعب شخصیت کے روبرو ان کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔

★ آخر ایسے نبی نے اپنے مسکن، اپنے آباواجداد کے وطن سے کیوں ہجرت کی؟ کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ وہ دشمنوں کے خوف سے وطن سے نکل گئے؟

★ اصل میں داستان گویوں نے حقیقتِ حال کو ہم سے چھپایا ہے اور ہجرت کے معنی ومفہوم کو غلط سمجھا اور سمجھایا ہے۔

★ دراصل ہجرت ہی حیاتِ مسلم کا بنیادی دستور ہے۔ یہ مسلمان کے ثبات اور پائندگی کا ایک سبب ہے۔

★ اس کا مفہوم یہ ہے کہ "تنک آبی" سے گریز کریں اور سمندر کی تسخیر کے لیے شبنم کو ترک کریں۔

★ تیرا مقصود گلستان ہے، لہٰذا تو گل پر قناعت نہ کر بلکہ اسے ترک کر دے۔ یہ تھوڑی سی زیاں کاری تیرے لیے بڑی سود مند ہوگی۔

★ آزادہ روی میں ہی سورج کی آبرو ہے۔ اس کے نتیجے میں آفاق کی وسعتیں اس کے قدم کے نیچے ہیں۔

★★ اے پیغمبر، جو ارشادات خدا کی طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں سب لوگوں کو پہنچا دو۔ اگر ایسا نہ کیا تو تم خدا کے پیغام پہنچانے میں قاصر رہے۔ (یعنی پیغمبری کا فرض ادا نہ کیا) اور خدا تم کو لوگوں سے بچائے رکھے گا۔ بیشک خدا منکروں کو ہدایت نہیں کرتا۔

ہمچو جُو سرمایہ از باراں مخواہ بیکراں شو در جہاں پایاں مخواہ

بود بحرِ تلخ رو یک سادہ دشت ساحلے ورزید واز شرم آب گشت

بایدت آہنگِ تسخیرِ ہمہ تا تو می باشی فراگیرِ ہمہ

صورتِ ماہی بہ بحر آباد شو یعنی از قیدِ مقام آزاد شو

ہر کہ از قیدِ جہات آزاد شد چون فلک در شش جہت آباد شد

بوئے گُل از ترکِ گُل جولانگر است در فراخائے چمن خود گستر است

اے کہ یک جا در چمن اندا ختی مثلِ بلبل با گلے در ساختی

چون صبا بارِ قبول از دوش گیر گلشن اندر حلقۂ آغوش گیر

از فریبِ عصرِ نَو ہشیار باش

رہ فتد اے راہرو ہشیار باش

★ ندی کی طرح بادل سے پانی کی بھیک نہ مانگ، بلکہ جہاں میں خود کو بیکراں بنالے اور (حدوں کی تلاش نہ کر اور اس طرح) خود کو محدود نہ کر۔[1]

★ یہ ترش رُو سمندر کبھی ایک وسیع صحرا تھا لیکن اس نے ساحلی اختیار کی (یعنی حدوں میں محدود ہوگیا) اور شرم سے پانی بن گیا۔

★ تجھے تو یہ چاہیے کہ ساری کائنات کو تسخیر کرنے کا عزم کرے تاکہ اس کے نتیجے میں سب پر حاوی ہو سکے۔

★ مچھلی کی طرح سمندر میں زندگی بسر کر یعنی قیدِ مکانی سے آزاد ہو جا اور سارے سمندر کو اپنا مسکن تصور کر۔

★ جو بھی "قیدِ جہات" (جہتوں اور حدوں کی قید) سے آزاد ہوتا ہے وہ آسمان کی طرح شش جہت میں آباد ہو جاتا ہے اور پوری کائنات کو اپنا مسکن سمجھتا ہے۔

★ گُل کی خوشبو گُل کو ترک کرنے سے جولانی اور سیلانی اختیار کرتی ہے اور چمن کی وسعتوں میں پھیل جاتی ہے۔

★ اے کہ تو نے چمن میں خود کو کسی ایک مقام سے پابند (وابستہ) کرلیا ہے اور بلبل کی طرح کسی ایک گُل کی ہم نشینی اختیار کر رکھی ہے۔

★ بادِ صبا کی طرح پابندی کے بوجھ کو اپنے دوش سے اُتار پھینک اور سارے گلشن کو اپنے حلقۂ آغوش میں لے لے۔

★ عصرِ نو کی فریب کاریوں سے ہوشیار رہ۔ اے راہرو ہوشیار باش! کہیں ایسا نہ ہو کہ ٹھوکر کھا کر گر پڑے۔

---

[1] (ندی محدود ہے لہٰذا بارش کے پانی کی محتاج ہے۔ اس کے برعکس سمندر غیر محدود ہے لہٰذا بادلوں سے بے نیاز ہے۔)

در معنیٔ ایں کہ وطن اساسِ ملّت نیست

آں چناں قطعِ اخوّت کردہ اند   بر وطن تعمیرِ ملّت کردہ اند[1]

تا وطن را شمعِ محفل ساختند   نوعِ انساں را قبائل ساختند

جنّتے جستند در بِئسَ القَرار ★   تا اَحَلُّوا قومَهُم دَارَ البَوَار ★

ایں شجر جنّت ز عالم بردہ است   تلخیٔ پیکار بار آوردہ است

مردمی اندر جہاں افسانہ شد   آدمی از آدمی بیگانہ شد

روح از تن رفت و ہفت اندام ماند   آدمیت گم شد و اقوام ماند

تا سیاست مسندِ مذہب گرفت   ایں شجر در گلشنِ مغرب گرفت

قصّہ دینِ مسیحائی فسرد   شعلۂ شمعِ کلیسائی فسرد

---

[1] (خدا انسان سے خطاب کرتا ہے)

جہاں را ز یک آب و گل آفریدم   تو ایران و تاتار و زنگ آفریدی
من از خاک فولادِ ناب آفریدم   تو شمشیر و تیر و تفنگ آفریدی

تبر آفریدی نہالِ چمن را
قفس ساختی طائرِ نغمہ زن را

★ بئس القرار : بدترین جائے قرار   ★ دار البوار : ہلاکت کا گھر یعنی جہنم

★ لوگوں نے وطن کی بنیاد پر ملّت کی تعمیر کی اور اس طرح اخوت اور برادری کے رشتے کو کاٹ کر رکھ دیا۔

★ جب سے انھوں نے وطن (وطنیت) کو شمعِ محفل بنایا ہے اس وقت سے انھوں نے نوعِ انساں کو قبائل میں تقسیم کر دیا ہے۔ (وطنیت کے نظریے نے انسانیت کو الگ الگ خانوں میں بانٹ دیا ہے۔)

★ انھوں نے بدترین ٹھکانے (یعنی قومیت کا نظریہ) میں جنّت کی تلاش کی۔ یہاں تک کہ اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں جھونک دیا[1]

★ اس درخت نے دنیا سے جنّت کو غائب کر دیا ہے اور جنگ وجدل کے تلخ پھل پیدا کر دیے ہیں[2]

★ اس کے نتیجے میں دنیا میں انسانیت افسانہ بن کر رہ گئی ہے اور آدمی آدمی سے بیگانہ بن گیا ہے۔ (حالانکہ آدمیت اور احترامِ آدمی سے ہی دنیا فردوس کا نمونہ بن سکتی ہے۔)[3]

★ جسم سے روح نکل گئی اور صرف اعضائے تن باقی رہ گئے۔ آدمیت گم ہو گئی اور صرف قومیں رہ گئیں۔

★ جب سے سیاست نے مذہب کی گدّی پر قبضہ کیا ہے اس وقت سے یہ درخت مغرب کے باغ میں نشو ونما پا رہا ہے۔

★ اس وقت سے عیسائی مذہب کا قصّہ (اقتدار) سرد پڑ گیا ہے۔ اور کلیسا کی شمع کا شعلہ بجھ (سا) گیا ہے۔

---

[1] (سورۂ ابراہیم ۲۸-۲۹) أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے خُدا کے احسان کو ناشکری سے بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اُتارا۔ وہ گھر دوزخ ہے۔ سب ناشکرے اس میں داخل ہوں گے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے۔

[2] (ایک شجر وہ تھا جس نے آدم کو جنّت سے نکالا تھا، لیکن یہ شجر وہ ہے جس نے دنیا کو جہنّم زار بنا دیا ہے۔)

[3] باخبر شو از مقامِ آدمی آدمیّت احترامِ آدمی

اُسقُفِ از بے طاقتی درماندۂ
مہرہ ہا از کف برون افشاندۂ

قومِ عیسےٰ بر کلیسا پا زدہ
نقدِ آئینِ چلیپا وا زدہ

دہریت چوں جامۂ مذہب درید
مرسلے از حضرتِ شیطاں رسید

آں فلارنساوئ باطل پرست
سرمۂ او دیدۂ مردم شکست[1]

نسخۂ بہرِ شہنشاہاں نوشت
در گلِ ما دانۂ پیکار کشت

فطرتِ او سوئے ظلمت بردہ رخت
حق ز تیغِ خامۂ او لخت لخت

---

[1] وہ کلاسیکی زمانے کی دنیاوی شان کا پرستار تھا، لہٰذا وہ ریاستوں کو مستحکم اور والیانِ ریاست کو با اقتدار دیکھنا چاہتا تھا۔ اس نے والیانِ ریاست کو مشورہ دیا کہ اپنی شان و شوکت اور اپنی ریاست اور وطن کی حفاظت کے لیے سب کچھ کرنا جائز ہے۔ اصل چیز اقتدار اور مملکت ہے لہٰذا اس کے لیے مذہب، اخلاق ہر چیز کو بلا تامل قربان کر دینا چاہیے۔ الغرض میکیاولی کی تعلیمات نے:-

(۱) وطن کو انسانوں کے لیے ایک معبود بنا دیا جس پر سب کچھ قربان کیا جانا چاہیے۔

(۲) مذہب اور اخلاق کو سیاست سے خارج کر دیا۔

(۳) جھوٹ، مکاری بلکہ ہر بُرائی کو فن بنا دیا۔

(۴) تمام یورپ کو اخلاقی قیود سے آزاد کر دیا، اِس طرح الحاد کے لیے راستہ صاف کیا۔

(۵) مملکت (اسٹیٹ۔وطن) کو انسانوں کے خیالات و عقائد پر حکمران بنایا۔

(۶) اربابِ سیاست کو مذہب سے بیگانہ بنایا۔ ★ ★

★ کلیسا کا پاپائے اعظم اپنا اقتدار کھو کر بے بسی کا شکار ہو چکا ہے اور اس کے ہاتھوں سے تمام مُہرے چھوٹ کر گر پڑے ہیں۔

★ قومِ عیسا نے کلیسائیت کو پامال کر کے رکھ دیا ہے اور مسیحی قوانین کو ٹھکرا دیا ہے۔

★ اور جب دہریت نے مذہب کا لباس پھاڑ کر پھینک دیا تو حضرتِ شیطان نے اپنا پیغمبر بھجوادیا۔

★ وہ فلارنس کا باطل پرست میکیاوَلی تھا۔ اس کے سُرمے نے انسانوں کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔

★ اس نے بادشاہوں کے لیے "کتاب الملوک" لکھی اور ہماری دنیا میں جنگ وجدل کے بیج بوئے۔

★ اس بدسرشت نے انسانیت کے کارواں کو ظلمت کی جانب موڑ دیا اور اس کے خامہ کی تیغ سے حق وصداقت لہولہان اور پارہ پارہ ہو گئی۔

★ ★ لے میکیاولی ۱۴۶۹ء میں اٹلی کے مشہور شہر فلارنس میں پیدا ہوا اور ۱۵۲۷ء میں وفات پائی۔ اس نے سیاسیات پر دو کتابیں لکھیں۔ (۱) مقالاتِ سیاسی اور (۲) کتاب الملوک یا بادشاہ (The Prince) کتاب الملوک کو اس زمانے میں بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ امراء اور والیانِ ریاست اسے تکیے کے نیچے رکھ کر سوتے تھے۔

میکیاولی کا زمانہ بڑے ہی انتشار اور طوائف الملوکی کا زمانہ تھا۔ سولھویں صدی میں اطالوی معاشرہ خرابیوں اور اخلاقی برائیوں کی انتہائی پستیوں میں گرا ہوا تھا۔ میکیاولی رومی کلیسا کو جو ایک ہزار سال سے یورپ پر اپنا اقتدار جمائے ہوئے تھا ان خرابیوں کا ذمہ دار قرار دیتا ہے۔ لہٰذا وہ پہلے کلیسا سے اور بعد میں مذہب سے متنفر ہو جاتا ہے۔

بُت گری مانندِ آزر پیشہ اش   بست نقشِ تازۂ اندیشہ اش

مملکت را دینِ او معبود ساخت   فکرِ او مذموم را محمود ساخت

بوسہ تا بر پائے ایں معبود زد   نقدِ حق را بر عیارِ سود زد

باطل از تعلیم او بالیدہ است   حیلہ اندازی فنے گردیدہ است

طرحِ تدبیرِ زبوں فرجام ریخت   ایں خسک در جادۂ ایام ریخت

شب بچشمِ اہلِ عالم چیدہ است
مصلحت تزویر را نامیدہ است

در معنی ایں کہ ملّتِ محمّدیہ نہایت زمانی هم ندارد
کہ دوامِ ایں ملّتِ شریفہ موعود است

در بہاراں جوششِ بلبل دیدۂ   رستخیزِ غنچہ و گل دیدۂ

چو عروساں غنچہ ہا آراستہ   از زمیں یک شہر انجم خاستہ

سبزہ از اشکِ سحر شوئیدۂ   از سرودِ آبِ جو خوابیدۂ

★ آزر کی طرح اس نے بھی بُت گری کا پیشہ اختیار کیا اور اس کی فکر نے بت پرستی کے نئے صنم تراشے ہیں۔

★ اس کے دین نے وطن کو معبود قرار دیا اور اس کے افکار نے زشت کو خوب اور مذموم کو محمود بنا دیا۔

★ جب سے اس معبود کے قدم چومنے اور پرستش کرنی شروع کی تو اس نے حق و صداقت کو بھی مفاد پرستی کی کسوٹی پر جانچنا شروع کیا۔

★ اس کی تعلیمات سے باطل کو فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ مکروفریب اور حیلہ جوئی کو فن تصور کیا جانے لگا ہے۔

★ اس نے تباہی اور زبوں کاری کی بنیاد ڈالی اور زندگی کی راہ میں کانٹے بکھیر دیے۔

★ اس نے اہلِ عالم کی آنکھوں میں شب کی ظلمتیں جھونک دی ہیں اور فریب و تزویر کو مصلحت کیشی اور سیاست کا نام دیا ہے۔

اس باب میں کہ ملّتِ محمدّیہ زمانی لحاظ سے بھی بے نہایت اور بے نیاز ہے اور یہ کہ خدا نے اس ملّتِ شریفہ کے دوام کا وعدہ کیا ہے۔

★ تو نے بہاروں میں بلبل کا جوش و خروش دیکھا ہے اور غنچہ و گل کے جلوؤں کی قیامت بھی دیکھی ہو گی۔

★ موسم گل میں (غنچے اور) پھول دلہنوں کی طرح آراستہ و پیراستہ نظر آتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے گویا ستاروں کا ایک شہر زمین سے باہر نکل آیا ہے۔

★ سبزہ کو ندی کے نغمے لوریاں دے کر سلاتے ہیں اور صبح کے شبنمی اشک اس کا منہ دھلاتے ہیں۔

غنچۂ برمی دمد از شاخسار گیرد بادِ نسیم اندر کنار

غنچہ از دستِ گلچیں خوں شود از چمن مانندِ بُو بیروں رود

بست قمری آشیاں بلبل پرید قطرۂ شبنم رسید و بو رمید

رخصتِ صد لالۂ ناپائدار کم نسازد رونقِ فصلِ بہار

از زیاں گنجِ فراوانش ہماں محفلِ گلہائے خندانش ہماں

فصلِ گل از نسترن باقی تر است از گل و سرو و سمن باقی تر است

کانِ گوہر پرورے گوہر گرے کم نگردد از شکستِ گوہرے

صبح از مشرق ز مغرب شام رفت جامِ صد روز از خُمِ ایام رفت

بادہا خوردند و صہبا باقی است دوشہا خوں گشت و فردا باقی است

ہمچناں از فردہائے بے سپر ہست تقویمِ اُمم پایندہ تر

در سفر یار است و صحبت قائم است فرد رہ گیر است و ملت قائم است

ذاتِ او دیگر صفاتش دیگر است سنّتِ مرگ و حیاتش دیگر است

★ جب شاخِ گل پر غنچہ نمودار ہوتا ہے تو بادِ نسیم اسے اپنی آغوش میں لے کر کھلاتی ہے۔

★ کہیں کسی غنچہ کا گلچیں کے ہاتھوں خون ہوتا ہے یعنی وہ شاخ سے توڑ لیا جاتا ہے اور خوشبو کی طرح چمن سے باہر لے جایا جاتا ہے۔

★ کہیں قمری آشیانہ بناتی ہے تو بلبل شاخ سے اُڑ جاتی ہے۔ کہیں شبنم نمودار ہوتی ہے تو خوشبوئے گل سے دور نکل جاتی ہے۔

★ کہیں لالہ کے سیکڑوں پھول مُرجھا جاتے ہیں لیکن ان کے مُرجھانے اور رخصت ہو جانے سے بہاروں کی رونق میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔

★ کیوں کہ لالہ کی اس زیاں کاری کے باوجود بہار کا گنج فراواں اور اس کی رنگینی جوں کی توں قائم رہتی ہے اور ہنستے ہوئے پھولوں کی محفل اسی طرح جاری رہتی ہے۔

★ فصلِ گل پھول سے زیادہ پائدار ہوتی ہے۔ وہ گل، سَرو اور یاسمین سے زیادہ پائندہ ہوتی ہے۔

★ گوہر بنانے اور گوہر پیدا کرنے والی کان میں اگر ایک آدھ گوہر ٹوٹ پھوٹ جائے تو اس سے کان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔

★ مشرق سے صبحیں اور مغرب سے شامیں گزرتی رہتی ہیں اور خُمِ ایام (زمانے کے میکدے) سے صدہا دنوں کے جام لنڈھائے جا چکے ہوتے ہیں۔

★ پے در پے شراب پی گئی پھر بھی شراب باقی ہے۔ بے شمار دِنوں اور راتوں کا خون ہو چکا ہے۔ پھر بھی فردا باقی ہے۔

★ اس طرح دنیا میں آکر گزر جانے والے افراد کے مقابلے میں قوموں کی حیات (تقویم) زیادہ دیرپا اور پائندہ ہے۔ (افراد پیدا ہوتے ہیں اور مر جاتے ہیں لیکن قومیں زندہ رہتی ہیں۔)

★ دوست احباب آتے جاتے رہتے ہیں لیکن مجلسِ احباب ہے کہ قائم (دوائم) رہتی ہے۔ فرد و ملّت کا بھی یہی رشتہ ہے۔ افراد مسافروں کی طرح گزر جاتے ہیں لیکن ملّت اپنی جگہ قائم رہتی ہے۔

★ ملّت کی ذات الگ ہے اور اس کی صفات بھی الگ ہیں۔ اس کی موت و حیات کے دستور بھی الگ ہیں۔

فرد بر می خیزد از مشتِ گلے — قوم زاید از دلِ صاحب دلے

فرد پورِ شصت و ہفتاد است و بس — قوم را صد سال مثلِ یک نفس

زندہ فرد از ارتباطِ جان و تن — زندہ قوم از حفظِ ناموسِ کہن

مرگِ فرد از خشکیِ رودِ حیات — مرگِ قوم از ترکِ مقصودِ حیات

گرچہ ملّت ہم بمیرد مثلِ فرد — از اجل فرماں پذیرد مثلِ فرد[1]

اُمّتِ مسلم ز آیاتِ خدا است — اصلش از ہنگامہ قَالُوا بَلٰی است[2]

از اجل ایں قوم بے پرواستے — استوار از نَحْنُ نَزَّلْنَا ستے

ذکر قائم از قیامِ ذاکر است — از دوامِ او دوامِ ذاکر است

---

[1] (سورۂ یونس: ۴۹) لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ط اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ہر ایک اُمّت کے لیے موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ وقت آجاتا ہے تو ایک گھڑی بھی دیر نہیں کرسکتے اور نہ جلدی کرسکتے ہیں۔

[2] اس سے پہلے آچکی ہے (الاعراف: ۱۷۲) اور جب تمھارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی ان کی پیٹھوں سے ان کی اولاد نکالی تو ان سے خود ان کے مقابلے میں اقرار کرایا۔ یعنی ان سے پوچھا کہ کیا میں تمھارا پروردگار نہیں ہوں؟ وہ کہنے لگے کیوں نہیں، ہم گواہ ہیں کہ تو ہمارا پروردگار ہے۔

★ فرد تو خاکی ہے۔ وہ مشتِ گل سے پیدا ہوتا ہے لیکن قوم تو کسی صاحبدل (پیغمبر) کے دِل سے پیدا ہوتی ہے۔[1]

★ فرد تو ساٹھ ستر سال زندہ رہتا ہے اور بس۔ اس کے برعکس قوم کے سو سال ایک سانس کے برابر ہوتے ہیں۔ (افراد کی زندگی مختصر ہوتی ہے اس کے برعکس قومیں مدت مدید تک زندہ رہتی ہیں)

★ فرد کی زندگی کا انحصار جان اور تن کے تعلق اور ان کی حفاظت پر ہوتا ہے۔ اس کے برعکس قوم کی زندگی کا انحصار "ناموس کہن" یعنی قومی تہذیبی روایات کی حفاظت پر ہے۔

★ فرد کی موت، زندگی کی ندی (خون کی شریانوں) کے خشک ہو جانے پر ہوتی ہے۔ اس کے مقابل قوم کی موت مقصودِ حیات یا نصب العین کو ترک کرنے سے ہوتی ہے۔[2]

★ اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ "وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ" یعنی ہر ملت یا قوم فرد کی طرح زوال اور موت کا شکار ہوتی ہے۔[3]

★ لیکن مسلمان قوم خدا کی نشانیوں میں سے ہے اور اس کی اصل "قالو بلیٰ" کے ہنگامے سے ہے۔[3]

★ یہ قوم اجل سے بے نیاز اور بے پروا ہے۔ وہ "نَحْنُ نَزَّلْنَا" (بیشک یہ کتاب ہم نے اُتاری اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں) کی اساس پر قائم ہے۔[4]

★ لہٰذا جب تک ذاکر ہے تب تک ذکر ہے اور جب تک ذکر جاری ہے تب تک ذاکر بھی موجود ہے۔ (یعنی جب تک ہم قرآن اور اس کی تعلیمات پر کار بند رہیں گے تب تک یہ ملت زندہ و پایندہ رہے گی۔)

---

[1] تیسرے باب کا عنوان ہی یہ ہے کہ ملت افراد کے میل جول سے تشکیل پاتی ہے اور اس کی ترتیب کی تکمیل نبی کی تعلیمات سے ہوتی ہے۔

[2] حیات پرور قومی روایات کے تحفظ پر قوم کی زندگی کا دارومدار ہوتا ہے۔

[3] اگرچہ افراد کی طرح قومیں بھی پیدا ہوتی اور مرتی ہیں لیکن اسلامی ملت ہرگز نہیں مرے گی۔

[4] خدا نے ذکر یعنی قرآن اُتارا اور اس کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝

بے شک یہ کتابِ نصیحت ہمیں نے اُتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

تا خدا اَنْ یُّطْفِؤا فرمودہ است ‌‌ از فسردن ایں چراغ آسودہ است[۱]

اُمتے در حق پرستی کاملے ‌‌‌‌‌‌‌‌ اُمتے محبوبِ ہر صاحبدلے

حق بروں آورد ایں تیغِ اصیل ‌‌‌‌‌‌‌‌ از نیامِ آرزو ہائے خلیل[۲]

تا صداقت زندہ گردد از دمش ‌‌‌‌‌‌‌‌ غیرِ حق سوزد ز برقِ پیہمش

ما کہ توحیدِ خدا را حجتیم ‌‌‌‌‌‌‌‌ حافظِ رمزِ کتاب و حکمتیم

آسماں با ما سرِ پیکار داشت ‌‌‌‌‌‌‌‌ در بغل یک فتنہ تا تار داشت

بند ہا از پا کشود آں فتنہ را ‌‌‌‌‌‌‌‌ بر سرِ ما آزمود آں فتنہ را

فتنہ پامالِ راہش محشرے ‌‌‌‌‌‌‌‌ کشتۂ تیغِ نگاہش محشرے

---

۱ یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِؤُا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ ط وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ ہ (الصف: ۸) یہ چاہتے ہیں کہ خدا کے چراغ کی روشنی کو منہ سے پھونک مار کر بجھا دیں۔ حالانکہ خدا اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا خواہ کافر ناخوش ہی ہوں۔

۲ (سورہ البقرہ: ۱۲۸) رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُزَکِّیْھِمْ ط اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ہ

اے پروردگار! ان لوگوں میں انھیں میں سے ایک پیغمبر مبعوث کیجو جو ان کو تیری آیتیں پڑھ کر سنایا کرے اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے اور ان کے دلوں کو پاک صاف کیا کرے۔ بیشک تو غالب اور صاحبِ حکمت ہے۔

★ چونکہ خود خداوند تعالیٰ نے اس کے سلسلے میں ان لطفوا فرمایا ہے' لہٰذا اس چراغ کا سرد ہونا یا بجھنا محال ہے۔ (پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا) اور وہ ہمیشہ روشن اور فروزاں رہے گا۔

★ یہ وہ اُمت ہے جو حق پرستی میں کامل ہے۔ یہ وہ اُمت ہے جو ہر صاحبدل کو محبوب ہے۔

★ یہ وہ تیغِ اصیل اور شمشیر جوہر دار ہے جسے خداوند تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی دُعاؤں کی نیام سے باہر نکالا ہے۔[1]

★ تاکہ اس کے دم سے صداقت کا چراغ زندہ اور تابندہ رہے اور اس کی شعاعوں کی (مُسلسل) برق پاشیوں سے باطل جل کر خاک ہو جائے۔

★ چونکہ ہم خدا کی توحید کے لیے حجت و دلیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا ہم کتاب اور اس کی حکمتوں (اور اسرار و رموز) سے آشنا اور اس کے محافظ ہیں۔[2]

★ آسماں ہم سے برسرِ پیکار ہوا (ہم سے اُلجھا اور آمادۂ جنگ ہوا) اس نے (اپنی بغل سے) تاتاریوں کے حشر انگیز فتنے کو نکالا۔

★ اس نے اس فتنے کو (تمام بندے) آزاد کیا اور اس بلا کو ہمارے سر پر ڈال کر ہماری آزمائش لینی چاہی۔

★ وہ فتنہ اتنا عظیم تھا کہ حشر بھی اس کی راہ میں آتا تو پامال ہو جاتا۔ گویا محشر اس کی تیغِ نگاہ کا کُشتہ تھا۔

---

[1] حضرت ابراہیمؑ کی دُعاؤں میں ایک یہ بھی دُعا تھی جس کے نتیجے میں ان کے خاندانی پیغمبروں کا سلسلہ حضور اکرمؐ پر ختم ہوتا ہے۔

[2] (سورہ آل عمران: ۱۶۴) اور (سورہ الجمعہ: ۲)

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۝

وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں انھیں میں سے محمدؐ کو پیغمبر بنا کر بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور ان کو پاک کرتے اور خدا کی کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں۔

خفتہ صد آشوب در آغوشِ او | صبح امروزے نزاید دوشِ او
سطوتِ مسلم بخاک و خوں تپید | دید بغداد آنچہ روما ہم ندید
تو مگر از چرخِ کج رفتار پُرس | زاں نوآئینِ کہن پندار پُرس
آتشِ تاتاریاں گلزار کیست؟ | شعلہ ہائے او گلِ دستارِ کیست؟[1]
زانکہ مارا فطرتِ ابراہیمی است | ہم بہ مولیٰ نسبتِ ابراہیمی است
از تہِ آتش برانداز یم گُل | نارِ ہر نمرود را سازیم گُل
شعلہ ہائے انقلابِ روزگار | چوں بباغِ ما رسد گردد بہار
رومیاں را گرم بازاری نماند | آں جہانگیری جہانداری نماند
شیشۂ ساسانیاں در خوں نشست | رونقِ خمخانۂ یوناں شکست

مصر ہم در امتحاں ناکام ماند
استخوانِ او تہِ اہرام ماند

---

[1] ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے (جوابِ شکوہ)

★ اس کی آغوش میں صدہا آشوب اور ہنگامے سوئے ہوئے تھے ۔ اس کی کل (دوش) قیامت کی کل تھی جس کے بعد کوئی صبح (فردا) نمودار نہ ہوتی۔

★ اس کے نتیجے میں مسلمانوں کی شان و شوکت خاک و خون میں تڑپنے لگی اور بغداد پر وہ تباہی و بربادی آئی کہ زمانے نے بھی نہیں دیکھی تھی۔

★ تو چرخِ کج رفتار سے پوچھ ۔ ہاں! جا اور اُس آسمانِ پیر (پختہ کار) سے پوچھ جو ہر دم تازہ انقلاب برپا کرتا رہتا ہے ۔

★ کہ تاتاریوں کی لگائی ہوئی آگ کو کس نے گلزار بنا دیا اور اس کے شعلے کس کی دستار کے پھول بن گئے۔

★ چونکہ ہماری فطرت اور ہمارا مزاج ابراہیمی ہے اور اپنے مولا سے بھی ہماری نسبت ابراہیمی ہے اور ہمارا دین بھی ابراہیمی ہے[1]۔

★ لہٰذا ہم (ہر زمانے میں) آگ کی تہ سے پھول پیدا کرتے ہیں اور ہر نمرود کے شعلوں کو پھولوں میں بدل دیتے ہیں۔ (نارِ نمرود کو گلزار بنا دیتے ہیں)

★ اِنقلابِ زمانہ کے شعلے جب بھی ہمارے باغ میں آتے ہیں تو بہار بن جاتے ہیں۔

★ رومیوں کی شان و شوکت اور جاہ و جلال ختم ہوا ۔ ان کی جہانگیری اور جہانداری (عالمگیر فتوحات اور حکمرانی) کا زمانہ ختم ہوا۔

★ ساسانیوں کے عیش و نشاط کا دور بھی ختم ہوا۔ (اور ان کے جامِ جم خون آلود ہوگئے)۔ اسی طرح یونان کے میکدوں کی رونق بھی خاک میں مل گئی ۔ ان کے عروج کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

★ یہی حال مصر کا بھی ہوا۔ وہ بھی امتحان میں ناکام رہا اور اس کے عروج کی ہڈیاں اہرام کے تہہ خانوں میں دب کر رہ گئیں۔

---

[1] سورۃ الحج کی آیت ۷۸ ملاحظہ ہو، جس کا ذکر آچکا ہے۔ (صفحہ ۳۶)

درجہاں بانگِ اذاں بود ست وہست   ملّتِ اسلامیاں بود ست وہست

عشق آئینِ حیاتِ عالم است   امتزاجِ سالماتِ عالم است

عشق از سوزِ دلِ ما زندہ است   از شرارِ لاالٰہ تابندہ است

گرچہ مثلِ غنچہ دلگیریم ما

گلستاں میرد اگر میریم ما

در معنیٔ ایں کہ نظامِ ملّت غیر از آئین صورت نہ بندد

و آئینِ ملّتِ محمدیّہ قرآن است

ملّتے را رفت چوں آئیں زدست   مثلِ خاک اجزائے او از ہم شکست

ہستیٔ مسلم ز آئین است وبس   باطنِ دینِ نبیؐ ایں است وبس

لے بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے   مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

★ لیکن آج چار دانگِ عالم میں بانگِ اذاں اِسی طرح گونجتی (رہتی) ہے۔ ملتِ اسلامیہ کل کی طرح آج بھی (زندہ و پایندہ ہے) موجود ہے [1]

★ عشق ہی حیاتِ عالم کا دستور و آئین ہے۔ کائنات کی زندگی کا دار و مدار عشق پر ہے۔ گویا عشق جانِ زندگی اور روحِ عالم ہے [2]

★ اور یہی عشق ہمارے دل کے سوز سے زندہ ہے۔ اور لاالٰہ کی چنگاریوں سے روشن اور تابندہ ہے۔

★ اگر ہم غنچوں کی طرح دل گرفتہ اور غمناک ہیں لیکن اگر ہم مرجائیں تو سارا گلستاں (کائنات) اُجڑ جائے گا۔ (گلشنِ حیات کی بہار اور کائنات کی رونق ہمارے دم سے ہے)

اس باب میں کہ آئین کے بغیر نظامِ ملت قائم نہیں رہ سکتا اور یہ کہ ملتِ محمدیہ کا آئین و دستور قرآن ہے۔

★ جب کوئی ملت اپنے ہاتھوں سے اپنے آئین و دستور کو چھوڑ دیتی ہے تو خاک کے تودے کی طرح اس کے اجزاء ٹوٹ کر بکھر جاتے ہیں!

★ مسلم کی ہستی کا دار و مدار بھی آئین (اسلامی دستور) پر ہے۔ دینِ نبی کا باطن بھی بس یہی ہے۔ (دینِ اسلام کی یہی حقیقت ہے۔ اس کی ہستی کا انحصار قوانینِ الٰہیہ کی پابندی پر ہے)

---

[1] (آلِ عمران : ۱۹) اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ۚ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَھُمْ ؕ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ فَاِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ۝
دین تو خدا کے نزدیک اسلام ہے۔ اور اہلِ کتاب نے جو (اس دین سے) اختلاف کیا تو علم حاصل ہونے کے بعد آپس کی ضد سے کیا اور جو شخص خدا کی آیتوں کو نہ مانے تو خدا جلد حساب لینے والا اور سزا دینے والا ہے۔

[2] وہ عالم کے سالمات اور کائنات کے ذرّوں میں اتحاد و امتزاج پیدا کرتا ہے۔

برگِ گل شد چوں ز آئیں بستہ شد گل ز آئیں بستہ شد گلدستہ شد

نغمہ از ضبطِ صدا پیداستے ضبط چوں رفت از صدا غوغاستے

در گلوئے ما نفس موجِ ہواست چوں ہوا پابندِ نے گردد نواست

تو ہمی دانی کہ آئینِ تو چیست؟ زیرِ گردوں سرِّ تمکینِ تو چیست؟

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم حکمتِ او لایزال است و قدیم

نسخۂ اسرارِ تکوینِ حیات بے ثبات از قوّتش گیرد ثبات[1]

حرفِ او را ریب نے تبدیل نے آیہ اش شرمندۂ تاویل نے

پختہ تر سودائے خام از زورِ او در فتد با سنگ جام از زورِ او

می برد پابند و آزاد آورد صید بنداں را بفریاد آورد

---

[1] (سورۂ بنی اسرائیل: ۹) اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝

یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہو اور مومنوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں بشارت دیتا ہے کہ ان کے لیے اجرِ عظیم ہے۔

★ جب پھول کی پتیوں نے آئین کی پابندی کی تو پھول بن گئیں اور جب پھول آئین کے پابند ہوئے تو گلدستہ بن گئے[1]۔

★ آواز کے نظم و ضبط سے نغمہ پیدا ہوتا ہے اور جب آواز ضبط سے بیگانہ ہو جاتی ہے تو شور و غوغا بن جاتی ہے۔

★ ہمارے گلے میں سانس گویا ہوا کی موج ہے لیکن جب یہی ہوا نَے (بانسری) کی پابند بنتی ہے تو نغمہ بن جاتی ہے[1]

★ کیا تجھے پتہ ہے کہ تیرا آئین و دستور کون سا ہے اور اس کے آسمان کے نیچے تیرے وقار اور استحکام کا راز کیا ہے؟

★ وہ کتاب زندہ یعنی قرآنِ حکیم ہے۔ جس کی حکمت و دانش، ازلی اور لازوال ہے۔ (اس کے دستور اور احکام کی پابندی پر تیری ہستی کا دار و مدار ہے۔

★ یہ وہ نسخہ ہے جس سے حیات اور کائنات کے اسرار کا پتہ چلتا ہے۔ اس کی قوت سے بے ثبات کو ثبات (اور فانی اشیاء کو بقا) حاصل ہو جاتی ہے۔

★ "لاریب" یعنی بلا شک و شبہ۔ اس کے الفاظ میں کسی تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں اور اس کے جملوں (آیتوں) کے معنی بھی صاف اور واضح اور تاویل سے بے نیاز ہیں[2]

★ اس کی طاقت سے خام آرزو، مضبوط ارادے میں بدل جاتی ہے اور شیشہ و جام پتھر سے ٹکرا جاتے ہیں۔

★ وہ پابند کر کے لے جاتا ہے اور آزاد بنا کر لاتا ہے۔ (یعنی اس کے احکام کی پابندی انسان کو آزاد بنا دیتی ہے) اور صیادوں اور جابروں کو فریاد پر مجبور کرتا ہے۔

---

[1] ان مثالوں سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ کائنات کا نظام آئین اور دستور کی پابندی پر قائم ہے۔

[2] یعنی انھیں دوسرے معنی پہنانے کی ضرورت نہیں۔ سورۃ البقر کے شروع ہی میں ہے:
ذَالِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ ۞ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۞ یہ کتاب قرآن مجید، اس میں کوئی شک نہیں کہ کلامِ خدا ہے اور خدا سے ڈرنے والوں کی رہنما ہے۔
(سورۃ یونس: ۶۴) لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ط ذَالِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۞ نہیں بدلتیں اللہ کی باتیں یہی ہے بڑی مراد۔

نوعِ انساں را پیامِ آخریں[1] حاملِ او رحمةٌ للعالمیں[2]

ارج میگرد ازو نا ارجمند بندہ را از سجدہ سازد سربلند

رہزناں از حفظِ او رہبر شدند از کتابے صاحبِ دفتر شدند

دشت پیمایاں ز تابِ یک چراغ صد تجلّی از علوم اندر دماغ

آنکہ دوشِ کوہ بارش بر نتافت سطوتِ او زہرۂ گردوں شگاف[3]

بنگر آں سرمایۂ آمالِ ما گنجد اندر سینۂ اطفالِ ما

آں جگر تابِ بیابانِ کم آب چشمِ او احمر ز سوزِ آفتاب

خوشتر از آہو رمِ جمّازہ اش گرم چوں آتش دمِ جمّازہ اش

---

۱ (سورۂ مائدہ: ۳) الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا ہ آج میں پورا دے چکا تم کو دین تمھارا اور پوری کی تم پر اپنی نعمت اور پسند کیا میں نے تمھارے لیے دین اسلام۔

۲ (سورۂ انبیاء: ۱۰۷) وما ارسلنٰک الا رحمة للعالمین ہ
اور آپ کو جو بھیجا تو رحمت بنا کر تمام جہانوں کے لیے۔

۳ (سورۂ حشر آیت: ۲۱) وَلَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ
اگر ہم اتارتے یہ قرآن ایک پہاڑ پر تو تو دیکھ لیتا کہ وہ دب جاتا، پھٹ جاتا اللہ کے ڈر سے۔

★ وہ بنی نوع انسان کے لیے آخری پیغام ہے اور اس پیغام کا لانے والا پیغمبر رحمۃ للعالمین ہے جو ساری دنیا کے لیے پیکرِ رحمت ہے۔

★ اس کی وجہ سے ادنیٰ اعلیٰ اور بے وقار، باوقار بن جاتے ہیں۔ وہ بندے کو غیروں کے سجدوں سے بے نیاز اور سربلند کر دیتا ہے۔

★ اس کتاب کے پڑھنے سے رہزن رہبر بن گئے اور اس ایک کتاب کے مطالعے سے لوگ بڑے عالم و فاضل بن گئے اور صاحبِ تصنیف بن گئے۔

★ اس ایک چراغ کی روشنی سے صحرا میں بھٹکنے والوں نے علوم و فنون کی سیکڑوں تجلیوں سے اپنے دل و دماغ کو مالا مال کر لیا۔

★ وہ بارِ امانت جسے پہاڑ بھی برداشت کرنے سے قاصر رہا اور جس کی سطوت (رعب و داب) نے آسمان کا کلیجہ پھاڑ کر رکھ دیا تھا[1]

★ دیکھو کہ وہ آج ہماری آرزوؤں کا سرمایہ بنا ہوا ہے، ہمارے نونہالوں کے سینوں میں جلوہ گر ہے۔

★ وہ عرب جو بے آب بیابان میں صحرانوردی کرتا ہے اور دل کو جلاتا ہے اور آفتاب کی تپش سے اس کی آنکھیں انگارہ بن جاتی ہیں۔

★ جب صحرا میں اس کی اونٹنی چوکڑیاں بھرتی ہے تو ہرن سے بھی زیادہ بھلی لگتی ہے۔ اس کی سانسیں آگ کی طرح گرم ہوتی ہیں۔

---

[1] اس شعر کی تلمیح (انا عرضنا الامانۃ .... اسرارِ خودی کے شعر میں آگئی ہے۔)

(سورۃ الاحزاب: ۷۲) اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ط اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا o

ہم نے بارِ امانت کو آسمانوں اور زمین پر پیش کیا تو انھوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے۔ اور انسان نے اس کو اٹھا لیا۔ بے شک وہ ظالم اور جاہل تھا۔ (یعنی اس بار کو اٹھا کر بڑی نادانی اور جہالت کا مظاہرہ کیا اور اپنی جان پر بڑا ظلم کیا، اپنی جان کو مشقت میں ڈالا۔)

از رموزِ زندگی آگاہ شو ظالم و جاہل ز غیر اللہ شو

رختِ خواب افگندہ در زیرِ نخیل　　　صبحدم بیدار از بانگِ رحیل

دشت سیر از بام و در نا آشنا　　　ہرزہ گرد و از حضر نا آشنا

تا دلش از گرمیٔ قرآں تپید　　　موجِ بیتابش چو گوہر آرمید

خواند ز آیاتِ مبینِ او سبق　　　بندہ آمد خواجہ رفت از پیشِ حق

از جہانبانی نوازد سازِ او　　　مسندِ جم گشت پا اندازِ او

شہرہا از گرد پایش ریختند　　　صد چمن از یک گلش انگیختند

اے گرفتارِ رسومِ ایمانِ تو　　　شیوہ ہائے کافری زندانِ تو

قطع کردی امرِ خود را در "زُبُر"　　　جادہ پیمائی اِلیٰ شَیٍٔ نُکُر[1]

---

[1] (سورۃ المؤمنین : ۵۲، ۵۳) پہلا مصرع ۔ وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝ فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝

(اور یہ تمھاری جماعت [حقیقت میں] ایک ہی جماعت ہے اور میں تمھارا پروردگار ہوں تو مجھ سے ڈرو۔) پھر انھوں نے آپس میں اپنے کام کو متفرق کر کے جدا جدا کر دیا اور ایک دوسرے سے کٹ کر الگ الگ ہو گئے۔ اور اپنا دین الگ الگ کر لیا۔ اب جو چیز جس فرقے کے پاس ہے وہ اس سے خوش ہو رہا ہے۔

★ وہ شب میں کھجور کے پیڑ کے نیچے آرام کرتا ہے اور صبح کاروان کے کوچ کی (بانگ) آواز سے بیدار ہو جاتا ہے۔

★ وہ ہردم صحرانوردی کرتا ہے اور بستیوں (کے بام و در) سے ناآشنا رہتا ہے۔ وہ سدا بھٹکتا اور سفر کرتا رہتا ہے اور حضر (قیام) سے بے نیاز رہتا ہے۔

★ جب قرآن کی تعلیمات نے اس کے دل کو گرمایا تو اس کی مضطرب زندگی کی بے تاب موجوں (صحرانوردیوں) نے سیپ کے موتی کی طرح سکون اختیار کیا۔

★ اس نے قرآن کی روشن آیات سے سبق لیا اور ان پر عمل کیا۔ وہ خدا کے حضور (اطاعت گزار) بندہ بن کر پہنچا اور وہاں سے آقا بن کر باہر نکلا "ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد"

★ لہٰذا اس کے سازِ حیات سے جہانبانی اور حکمرانی کے نغمے نکلنے لگے (وہ دنیا کا حاکم بن گیا) اور جمشید کی مسند بھی (اس کے ایوان کی) پائدان بن گئی۔

★ اس کے پاؤں کی دھول سے شہر آباد ہو گئے اور اس کی خاکِ پا (یا اس کے ایک پھول) سے سینکڑوں چمن زار لہلہانے لگے۔

★ اے میرے بھائی! آج کل تیرا ایمان (کھوکھلے) رسم و رواج کا شکار ہو کر رہ گیا ہے اور کفر کے شیوؤں کے زندان میں تو اسیر ہو کر رہ گیا ہے (تیرے طور طریق کافرانہ ہو گئے ہیں)

★ تو نے آیہ شریفہ فَتَقَطَّعُوٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا سے اپنا تعلق قطع کر لیا ہے اور آیہ شریفہ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَىْءٍ نُّكُرٍ کے راستے پر چل پڑا ہے۔[1]

---

[1] مسلمان ایک دوسرے سے کٹ کر الگ الگ ہو گئے اور فرقوں میں بٹ گئے، لہٰذا تباہی کے راستے پر چل پڑے ہیں۔

(سورہ قمر: ٦) دوسرا مصرعہ۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَىْءٍ نُّكُرٍ ۝

تو تم بھی ان کی کچھ پروا نہ کرو، جس دن بلانے والا ان کو ایک ناخوش چیز کی طرف بلائے گا۔

گر تو می خواہی مسلماں زیستن   نیست ممکن جز بقرآں زیستن

صوفیِ پشمینہ پوشِ حال مست   از شرابِ نغمۂ قوّال مست

آتش از شعرِ عراقی در دلش   در نمی سازد بقرآں محفلش

از کلاہ و بوریا تاج و سریر   فقرِ او از خانقاہاں باج گیر

واعظِ دستاں زنِ افسانہ بند   معنیِ او پست و حرفِ او بلند

از خطیب و دیلمی گفتارِ او   با ضعیف و شاذ و مُرسل★ کارِ او

از تلاوت بر تو حق دارد کتاب
تو ازو کامے کہ میخواہی بیاب

در معنیٔ ایں کہ در زمانۂ انحطاط تقلید از اجتہاد اَولیٰ تر است

عہدِ حاضر فتنہ ہا زیرِ سر است   طبعِ ناپروائے او آفت گر است

بزمِ اقوامِ کہن برہم ازو   شاخسارِ زندگی بے نم ازو

★ ضعیف و شاذ و مرسل : اقسامِ حدیث

★ اگر تو مسلمان کی حیثیت سے زندہ رہنا چاہتا ہے تو وہ قرآن کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

★ فی زمانہ خرقہ پوش صوفی جو وجد و حال میں مست رہتا ہے وہ دراصل قوال کے نغموں کی شراب سے مست و سرشار رہتا ہے۔

★ اس کے دل میں عراقی کے کلام کی آگ ہوتی ہے۔ اس کی محفل قرآن کے لیے ساز گار نہیں ہے۔ (اہلِ محفل کو قرآن سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔) (عراقی کا کلام وحدت الوجود کے نظریات سے مملو ہے۔)

★ کلاہ اور بوریا اس کے تاج اور تخت ہیں۔ اس کا فقر خانقاہوں سے خراج وصول کرتا ہے۔

★ واعظ کا بھی یہی حال ہے۔ اس کے وعظ داستان سرائی اور افسانہ گوئی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتے۔ اس کے الفاظ جتنے بلند یعنی پر جوش ہوتے ہیں، اتنے ہی پست اس کے معنی ہوتے ہیں۔

★ اس کی گفتار میں خطیب اور دیلمی کی وضعی، ضعیف اور جھوٹی حدیثیں ہوتی ہیں جن سے وہ اپنی داستان کو رنگین اور دلچسپ بناتا ہے۔

★ قرآن تجھ سے اپنا "حقِ تلاوت" طلب کرتا ہے، لہٰذا اسے پڑھ کر اور اس کی تعلیمات سے کامجوئی اور کامرانی حاصل کر (قرآن (کتاب) کے فضائل میں بہت سی آیات ہیں) [1]

اس معنی میں کہ انحطاط کے زمانے میں اجتہاد سے تقلید بہتر ہے

★ عہدِ حاضر کے دامن میں بڑے بڑے فتنے پوشیدہ ہیں۔ اس کا بے پروا اور سرکش مزاج بڑا ہی فتنہ پرور اور آفت ڈھانے والا ہے۔

★ اس نے قدیم اقوام (اور قدیم تہذیبوں) کی محفل درہم برہم کر کے رکھ دی ہے۔ اس کی وجہ سے گلشنِ حیات کی شاخیں بے نم ہو کر سوکھ رہی ہیں۔

---

[1] (سورۃ بنی اسرائیل: ۸۲) وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝ اور ہم قرآن کے ذریعے سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے حق میں اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے۔

جلوه اش ما را ز ما بیگانه کرد | ساز ما را از نوا بیگانه کرد

از دل ما آتش دیرینه برد | نور و نار لا اله از سینه بُرد

مضمحل گردد چو تقویم حیات | ملت از تقلید می گیرد ثبات

راهِ آبا رَو که این جمعیت است | معنیٔ تقلید ضبطِ ملت است

در خزاں اے بے نصیب از برگ و بار | از شجر مگسل بامیدِ بہار

بحر گم کردی زیاں اندیش باش | حافظِ جوئے کم آبِ خویش باش

شاید از سیلِ کہستاں برخوری | باز در آغوشِ طوفاں پروری

پیکرت دارد اگر جانِ بصیر | عبرت از احوالِ اسرائیل گیر

گرم و سردِ روزگارِ او نگر | سختیٔ جانِ نزارِ او نگر

لے (سورۂ آل عمران ۱۰۳) وَاعتصمو بحبلِ اللہ جمیعاً وّلا تفرقو واذکرو نعمت اللہ علیکم اذکنتم اعدآءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہٖ اخواناہ اور سب مل کر خدا کی ہدایت کی رسّی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا اور خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے۔

★ اس کے جلوے نے ہمیں اپنی ذات سے بیگانہ کر دیا ہے اور ہمارے ساز (کے تاروں) کو نغموں سے محروم کر دیا ہے۔

★ اس نے ہمارے دلوں سے عشقِ الٰہی کی قدیم آگ چھین لی ہے اور لاالٰہ کے نور اور گرمی (سوز) سے ہمارے سینوں کو محروم کر دیا ہے۔

★ جب کسی قوم کی زندگی کی تقویم مضمحل ہو جاتی ہے۔ یعنی وہ کمزور ہو جاتی ہے تو وہ تقلید سے تقویت حاصل کرتی ہے اور اس طرح اپنے تحفظ کا سامان پیدا کرتی ہے۔

★ لہٰذا اے برادر! اپنے آباؤ اجداد کی راہ پر چل کیونکہ اسی سے جمعیّت (ملّت) قائم رہ سکتی ہے گویا تقلید سے مراد ضبطِ ملّت سے ہے۔

★ اگرچہ فصلِ خزاں میں تو برگ و بار سے محروم ہو گیا ہے۔ بایں ہمہ بہار کی اُمید رکھ اور بے برگ درختوں سے تعلق نہ توڑ۔

★ اگر تو سمندر کھو چکا ہے تو اس صورت میں اپنے نقصان کی فکر لے اور اپنی کم آب ندی کی حفاظت کر جس میں ابھی تھوڑا بہت پانی ہے۔

★ ممکن ہے اس صبر کا پھل اس طرح حاصل ہو کہ کوہساروں سے سیلاب آجائے اور طوفانوں کی آغوش میں اسے پروان چڑھنے کا پھر سے موقع حاصل ہو۔

★ اگر تو (اپنے جسم میں) بصیرت حاصل کرنے والی جان رکھتا ہے تو قومِ اسرائیل کے حالات سے سبق حاصل کر۔

★ دیکھ کہ وہ زمانے میں کتنے نشیب و فراز اور گرم و سرد سے گزری ہے اور اس کی جانِ حزیں کس قدر سخت ہے کہ تمام مصائب کو جھیل گئی۔

ل (سورہ بقرہ: ۶۱) وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُو بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ط ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوا يَعْتَدُونَ ٥

اور آخر ذلت اور رسوائی اور محتاجی اور بے نوائی ان سے چمٹا دی گئی اور وہ خدا کے غضب میں گرفتار ہو گئے۔ یہ اس لیے کہ وہ خدا کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور اس کے نبیوں کو ناحق قتل کر دیتے تھے (یعنی) یہ اس لیے کہ نافرمانی کیے جاتے اور حد سے بڑھے جاتے تھے۔

پنجۂ گردوں چو انگورش فشرد | یادگارِ موسیٰ و ہارون نمرد
از نوائے آتشینش رفت سوز | لیکن اندر سینہ دم دارد ہنوز
زانکہ چوں جمعیتش از ہم شکست | جز براہِ رفتگاں محمل نہ بست
اے پریشاں محفلِ دیرینہ ات | مُرد شمعِ زندگی در سینہ ات
نقش بر دل معنیٔ توحید کُن | چارۂ کارِ خود از تقلید کُن
اجتہاد اندر زمانِ انحطاط | قوم را برہم ہمی پیچد بساط
ز اجتہادِ عالمانِ کم نظر | اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر
عقلِ آبایت ہوس فرسودہ نیست | کارِ پاکاں از غرض آلودہ نیست
فکرِ شاں ریسد ہمے باریک تر | وَرَعِ شاں با مصطفیٰ نزدیک تر
ذوقِ جعفرؓ کاوشِ رازیؓ نماند | آبروئے ملّتِ تازی نماند
تنگ بر ما رہگذارِ دیں شد است | ہر لئیمے رازدارِ دیں شد است
اے کہ از اسرارِ دیں بیگانۂ | با یک آئیں ساز اگر فرزانۂ

★ اگرچہ آسمان نے اپنے خونیں پنجوں سے اس کو خوشہ انگور کی طرح نچوڑا۔ بایں ہمہ موسٰی و ہارون کی یہ یادگار قوم نابود نہیں ہوئی بلکہ اب بھی زندہ ہے۔

★ اگرچہ اس کی آتشیں نواؤں سے سوز و گرمی جا چکی ہے لیکن اس کے سینے میں اب بھی دم باقی ہے۔

★ اس کا سبب یہ ہے کہ جب اس قوم کی شکست و ریخت ہوئی تو اس نے سنبھالا لینے کے لیے اسلاف کی راہ پر اپنے کارواں کو نہیں چلایا۔ (اور اپنی تہذیبی روایات پر مستقل طور پر قائم رہی۔)

★ اے برادر! تیری دیرینہ محفل بھی پراگندہ ہو چکی ہے اور تیرے سینے میں شمع زندگی بجھ گئی ہے۔ (تیری قوم بھی اپنی اصلی روح اور تخلیقی صلاحیتوں کو کھو چکی ہے۔)

★ لہٰذا از سر نو اپنے دل پر توحید کے معنی (اور اس کی صحیح حقیقت) کو نقش کر اور تقلید کے ذریعے (اسلاف کی روح کو اپنا کر اور ان کے نقش قدم پر چل کر) اپنی قومی زبوں حالی کا علاج کر۔

★ زوال و انحطاط کے زمانے میں کسی بھی قسم کا اجتہاد قوم کے لیے تباہ کن ثابت ہوتا ہے اور قومی بساط کو الٹ کر رکھ دیتا ہے۔

★ کم نظر اور ناعاقبت اندیش علما کے اجتہاد کے مقابلے میں اسلاف کی پیروی اور تقلید زیادہ مامون اور محفوظ ہوتی ہے۔

★ تیرے آبا و اجداد کی فکر و دانش ہوس پرستی کا شکار نہیں تھی۔ وہ پاکباز لوگ تھے اور پاکباز انسانوں کا کام ذاتی غرض سے آلودہ نہیں ہوتا۔

★ ان کی فکر کے تانے بانے نہایت ہی باریک اور لطیف ہوا کرتے تھے اور وہ اپنے زہد و تقویٰ، پارسائی و پرہیزگاری اور اخلاق و اعمال میں مصطفٰے سے بہت قریب ہوا کرتے تھے۔

★ اب نہ تو حضرت جعفرؓ کا ذوق و شوق رہا اور نہ رازیؒ کی فکر و کاوش رہی، جس کے نتیجے میں ملت حجازی کی آبرو جاتی رہی۔

★ دین کی شاہراہ ہمارے لیے تنگ و تاریک ہو گئی اور حال یہ ہے کہ ہر نااہل انسان، ہر لعین و لئیم (سفلہ) انسان دین کا اجارہ دار (رازدار) بن بیٹھا۔

★ اے انسان کہ دین کی حقیقت اور اس کے اسرار و رموز سے ناواقف ہے۔ اگر تو دانشمند ہے تو میری بات سن اور کسی ایک آئین (اسلامی آئین) سے تعلق قائم کر۔

من شنیدستم ز نباضِ حیات　　اختلافِ تست مقراضِ حیات

از یک آئینی مسلماں زندہ است　　پیکرِ ملّت ز قرآں زندہ است

ما ہمہ خاک و دلِ آگاہ اوست　　اعتصامش کن کہ حبل اللہ اوست

چوں گہر در رشتۂ او سفتہ شو

ورنہ مانندِ غبار آشفتہ شو

در معنیٔ ایں کہ پختگی سیرتِ ملیہ از اتّباعِ آئینِ الٰہیہ است[1]

در شریعت معنیٔ دیگر مجو　　غیرِ ضو در باطنِ گوہر مجو

ایں گہر را خود خدا گوہر گر است　　ظاہرش گوہر بطونش گوہر است

علمِ حق غیر از شریعت ہیچ نیست　　اصلِ سنّت جز محبت ہیچ نیست

فرد را شرع است مرقاتِ یقیں　　پختہ تر از وے مقاماتِ یقیں

---

[1] خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں　　ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

★ میں نے ایک نبّاضِ حیات اور رازدانِ عالم سے سُنا ہے کہ تیری قومی زندگی کی مقراض (تیری قوم کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے والی شے) تیرا باہمی اختلاف ہے۔

★ ایک آئین کی پابندی (اور باہمی اتحاد و اتفاق) سے ہی مُسلمان زندہ ہے۔ اِسلامی ملّت کا پیکر قرآن ہی سے زندہ اور پائندہ ہے۔

★ ہم سب جسم خاکی ہیں اور قرآن اس کا "دل زندہ" (باخبر دل) ہے۔ لہٰذا اسے مضبوطی سے پکڑ کہ وہی "حبل اللّٰہ" (اللّٰہ کی رسّی) ہے۔ (اس شعر سے متعلق آیت پچھلے اشعار میں دی جا چکی ہے۔)

★ ہار کے موتیوں کی طرح اس کے رشتے میں منسلک ہو جا۔ (خود کو پرو لے) اور اگر یہ نہیں کر سکتا تو غبار کی طرح پراگندہ اور پریشان ہو کر نابود ہو جا۔ (اگر تو نے خود کو موتی کی طرح قرآن کے رشتے میں نہیں پرویا تو گرد و غبار کی طرح نابود ہو جائے گا۔

اس معنی میں کہ سیرتِ ملّیہ کی پختگی آئینِ الٰہیہ کی اِتّباع میں ہے

★ شریعت میں مختلف قسم کے معنی اور تاویلات تلاش نہ کر۔ موتی کے اندر چمک کے سوا اور کچھ تلاش نہ کر۔

★ یہ وہ موتی اور گوہر ہے جسے خدا نے بنایا ہے۔ اس کا ظاہر اور باطن یکساں ہے۔ (وہ ظاہر میں بھی گوہر ہے اور باطن میں بھی۔)

★ علمِ حق شریعت کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور سُنّت کی اصل و حقیقت بھی محبّت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔[۱]

★ شریعت ہی فرد کے لیے یقین کا زینہ ہے۔ اس کی وجہ سے یقین کے مقامات زیادہ مضبوط ہو جاتے ہیں۔

---

[۱] (سورۃ الجاثیہ: ۱۸) ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ پھر ہم نے تم کو دین کے کھلے رستے پر قائم کر دیا چلے چلو اور نادانوں کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلنا۔

ملّت از آئینِ حق گیرد نظام | از نظامِ محکمے خیزد دوام
قدرت اندر علمِ او پیداستے | ہم عصا و ہم یدِ بیضاستے
با تو گویم سرِّ اسلام است شرع | شرع آغاز است و انجام است شرع
اے کہ باشی حکمتِ دیں را امیں | با تو گویم نکتۂ شرعِ مبیں[1]
چوں کسے گردد مزاحم بے سبب | با مسلماں در ادائے مستحب
مستحب را فرض گردانیدہ اند | زندگی را عینِ قدرت دیدہ اند
روزِ ہیجا لشکرِ اعدا اگر | بر گمانِ صلح گردد بے خطر
گیرد آساں روزگارِ خویش را | بشکند حصن و حصارِ خویش را
تا نگیرد باز کارِ او نظام | تاختن بر کشورش آمد حرام

---

1. (سورۂ بنی اسرائیل ۳۹) ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِىْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۔

اے پیغمبر! یہ ان ہدایتوں میں سے ہیں جو خدا نے دانائی کی باتیں تمھاری طرف وحی کی ہیں اور خدا کے ساتھ کوئی معبود نہ بنانا کہ ایسا کرنے سے ملامت زدہ اور درگاہِ خدا سے راندہ بنا کر جہنّم میں ڈال دیے جاؤ گے۔

★ ملتِ آئینِ حق سے نظام (نظم و نسق) حاصل کرتی ہے اور جب نظام مضبوط ہوتا ہے تو اس میں پائداری اور پائندگی ہوتی ہے۔

★ اس کے علم سے قدرت اور طاقت و توانائی حاصل ہوتی ہے۔ وہ عصائے موسیٰ اور یدِ بیضا (جیسے معجزے) عطا کرتا ہے۔

★ میں تجھ سے کہتا ہوں کہ شرع ہی اسلام کا راز (اور اس کی روح) ہے۔ شرع ہی آغاز ہے اور شرع ہی انجام ہے۔[1]

★ اے برادر! تو دین کی حکمت کا امانت دار ہے۔ میں تجھے شرع مبین (روشن شرع) کا ایک اہم نکتہ بیان کرتا ہوں۔

★ جب کوئی شخص (یا قوم) کسی مسلمان فرد (یا قوم) کو کسی مستحب کام (جیسے رسولِ مقبولؐ نے پسند فرمایا اور خود کیا ہے) کے کرنے میں مزاحمت کرتا ہے تو۔

★ اس صورت میں وہ مستحب کام فرض میں شمار ہوتا ہے اور زندگی عینِ قدرت بن جاتی ہے۔ یعنی اس فرض کی ادائیگی مسلمانوں کے لیے ضروری ہو جاتی ہے۔[2]

★ مثلاً جنگ کے زمانے میں اگر دشمن کی فوج صلح کے گمان اور خوش فہمی میں بے خوف اور بے فکر ہو جائے۔

★ اور یہ خیال کر کے کہ حالات خوشگوار ہو گئے ہیں، اطمینان (آسانی) سے اپنے کاروبار میں لگ جائے اور اپنے قلعے اور حصار کے دروازے کھول دے (توڑ ڈالے)

★ تو ایسی صورت میں جب تک وہ منظم ہو کر جنگ کے لیے تیار نہ ہو جائے، اس پر یا اس کے ملک پر حملہ کرنا حرام ہے۔

---

[1] جو شخص شریعت سے جتنا دور ہو گا اسلام سے اتنا ہی دور ہو گا۔

[2] اور اس طرح زندگی قوت و شوکت کا منظہر بن جاتی ہے۔

سرّ ایں فرمانِ حق دانی کہ چیست　　زیستن اندر خطر ہا زندگی ست

شرع می خواہد کہ چوں آئی بجنگ　　شعلہ گردی واشگافی کامِ سنگ[1]

آزماید قوّتِ بازوے تو　　می نہد الوند پیشِ روئے تو

باز گوید سرمہ ساز الوند را　　از تفِ خنجر گداز الوند را

نیست میش ناتوانے لاغرے　　در خورِ سر پنجۂ شیر نرے

باز چوں با صعوہ خوگر می شود　　از شکارِ خود زبوں تر می شود

شارعِ آئیں شناسِ خوب و زشت　　بہرِ تو ایں نسخۂ قدرت نوشت

از عمل آہن عصب می سازدت　　جائے خوبی در جہاں اندازدت

خستہ باشی استوارت می کند　　پختہ مثلِ کوہسارت می کند

---

[1] (سورہ توبہ: ۷۳) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

اے پیغمبر، کافروں اور منافقوں سے لڑو اور ان پر سختی کرو۔ اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہے۔

★ کیا تو جانتا ہے کہ اس فرمانِ خداوندی میں کیا راز پوشیدہ ہے؟ وہ یہ ہے کہ خطرات میں زندگی بسر کرنا ہی اصل زندگی ہے۔

★ شرع یہ چاہتی ہے کہ جب تو میدانِ جنگ میں آئے تو تُو آتش فشاں (شعلہ) بن جائے اور چٹانوں کا سینہ چیر کر رکھ دے۔

★ شریعت تیری قوتِ بازو کو آزمانا چاہتی ہے اور تیرے مقابل کوہِ الوند جیسا پہاڑ کھڑا کر دیتی ہے۔

★ اور پھر حکم فرماتی ہے کہ اس پہاڑ کو سرمہ (کی طرح ریزہ ریزہ) کر ڈال اور اپنے تیغ و خنجر کی آنچ سے اسے پگھلا کر رکھ دے۔

★ ایک لاغر و کمزور بھیڑ (بکری) ایک شیر ببر کے طاقتور پنجے کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ (لائق سزاوار)

★ جب باز مولوں کے شکار کا عادی ہو جاتا ہے تو وہ اپنے حقیر شکار سے بھی زیادہ پست اور ذلیل بن جاتا ہے۔

★ شارع ازلی نے جو نیک و بد اور خوب و زشت کے آئین سے اچھی طرح باخبر ہے، تیرے واسطے طاقت و قدرت کے اس نسخہ کو رقم کیا ہے۔

★ وہ عمل کے ذریعے تیرے اعصاب کو فولادی بنا دیتا ہے۔ تجھے فولاد بدن بنا دیتا ہے اور پھر اس دنیا میں تجھے اعلیٰ مقام پر پہنچا دیتا ہے۔

★ اگر تو کمزور و ناتواں ہے تو تجھے قوت و توانائی (استحکام) عطا کرتا ہے اور تجھے پہاڑ کی طرح پختہ اور مستحکم بنا دیتا ہے۔

ہست دینِ مصطفیٰ دینِ حیات　　شرعِ او تفسیرِ آئینِ حیات

گر زمینی آسماں سازد ترا　　آنچہ حق می خواہد آں سازد ترا

صیقلش آئینہ سازد سنگ را

از دلِ آہن رُباید زنگ را

تا شعارِ مصطفیٰ از دست رفت　　قوم را رمزِ بقا از دست رفت

آں نہالِ سربلند و استوار　　مسلمِ صحرائی اشتر سوار

پائے تا در وادیٔ بطحا گرفت　　تربیت از گرمیٔ صحرا گرفت

آں چناں کاہید از بادِ عجم　　ہمچو نے گردید از بادِ عجم

آنکہ کشتے شیر را چوں گوسفند　　گشت از پامالِ مورے دردمند

آنکہ از تکبیرِ او سنگ آب گشت　　از صفیرِ بلبلے بیتاب گشت

آنکہ عزمش کوہ را کاہے شمرد　　با توکل دست و پائے خود سپرد

آنکہ ضربش گردنِ اعدا شکست　　قلبِ خویش از ضربہائے سینہ خست

★ مصطفیٰ کا دین ہی دینِ حیات ہے اور اس کی شریعت ہی دراصل آئین یا دستورِ حیات کی شرح و تفسیر ہے۔ (قانونِ قدرت اور قانونِ زندگی ہی دراصل قانونِ محمدی ہے۔)

★ اگر تو زمین کی طرح پست ہے تو وہ تجھے آسمان کی بلندی عطا کرتا ہے اور خداوند تعالیٰ نے تیرے بارے میں جو کہا ہے (یعنی خلیفۃ اللہ اور اشرف المخلوقات) وہ تجھے بنا دیتا ہے۔

★ اس کی جلا کاری (اس کی تعلیمات) پتھر کو بھی آئینہ بنا دیتی ہے اور فولاد (کے سینے) سے زنگ اُڑا دیتی ہے۔

★ جس وقت قوم نے مصطفیٰ کے شعار (شرعِ محمدی، اسلامی تعلیمات) کو ہاتھ سے کھو دیا تو اس نے زندگی اور پائندگی (بقا) کے راز کو بھی کھو دیا ہے۔

★ وہ عرب جو صحرا میں زندگی بسر کرتا تھا اور اونٹ کی سواری کرتا تھا (اور شب و روز صحرا نوردی کرتا تھا) وہ باغِ اسلام کا مضبوط اور سر بلند پیڑ تھا۔

★ جب تک وہ وادیٔ بطحا میں صحرا نوردی کرتا پھرتا تھا وہ صحرا کی کڑی دھوپ میں سخت کوشی کی تربیت حاصل کرتا تھا۔

★ لیکن اس نخلِ سر بلند پر آگے چل کر جب بادِ عجم کے جھونکے چلنے لگے تو یہی تناور پیڑ سوکھ کر بانسری کی طرح بن گیا۔

★ جو کبھی شیروں کو بھیڑ بکری کی طرح چیر کر رکھ دیتا تھا، اب اس کا یہ حال ہو گیا کہ چیونٹی کو پامال ہوتے دیکھ کر اس کے دل کو دُکھ ہونے لگا (اور وہ دردمندی کا اظہار کرنے لگا۔)

★ وہ مجاہد جس کی تکبیر کی آواز سے پتھر بھی پانی پانی ہو جاتے تھے (پگھل جاتے تھے۔) اب اس کا یہ حال ہوا کہ بُلبُل کی آواز سُن کر بیتاب ہونے اور تڑپنے لگا۔

★ وہ مردِ میدان جس کا عزم کوہ کو کاہ (یعنی پہاڑ کو تنکا) تصور کرتا تھا اب وہ توکّل کا شکار ہو کر (اور اس کے مفہوم کو غلط سمجھ کر) ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ رہا۔

★ وہ تیغ زن جس کی ضربِ کاری دشمنوں کی گردنیں کاٹ کر رکھ دیتی تھی اب وہی سورما سینہ کوبی کرنے اور اپنے دل کو مجروح کرنے لگا۔

آنکہ گامش نقشِ صد ہنگامہ بست | پائے اندر گوشۂ عزلت شکست
آنکہ فرمانش جہاں را ناگزیر | بر درش اسکندر و دارا فقیر
کوششِ او با قناعت ساز کرد | تا بہ کشکولِ گدائی ناز کرد
شیخ احمدؒ سیدِ گردوں جناب | کاسبِ نور از ضمیرش آفتاب
گل کہ می پوشد مزارِ پاکِ او | لا الہٰ گویاں دمد از خاکِ او
با مریدے گفت اے جانِ پدر | از خیالاتِ عجم باید حذر
زانکہ فکرش گرچہ از گردوں گذشت | از حدِ دینِ نبی بیروں گذشت
اے برادر ایں نصیحت گوش کن | پندِ آں آقائے ملت گوش کن

قلب را زیں حرفِ حق گرداں قوی
باعرب در ساز تا مسلم شوی

★ وہ جانباز فاتح جس کا ایک ایک قدم سَو سَو ہنگامے برپا کرتا تھا۔ اب وہی مردِ غازی گوشۂ تنہائی میں اپنے ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ گیا۔

★ وہ فرمانروا جس کا فرمان دنیا کے لیے ناگزیر تھا۔ (جس کے حکم سے روگردانی کرنا کسی کے لیے ممکن نہ تھا) اور اسکندر و دارا جیسے تاجدار اس کے آستانے کے گدا تھے۔

★ اب اس کی پستی کا یہ عالم ہے کہ اس نے جہد و عمل کو ترک کر کے قناعت کی راہ اختیار کرلی ہے جس کے نتیجے میں اس کے ہاتھ میں کاسۂ گدائی آگیا ہے اور جس پر وہ ناز کرنے لگا۔

★ حضرت شیخ احمد رفاعیؒ جن کی بارگاہ کا آستانہ آسمان ہے اور جن کے قلبِ درخشاں سے آفتاب اکتسابِ نور کرتا ہے۔

★ اور جن کے مزارِ اقدس پر پھولوں کا انبار لگا رہتا ہے۔ (وہ پھول جو وہیں کی خاک سے لا الٰہ کہتے ہوئے نمودار ہوتے ہیں۔)

★ ایک مرتبہ آپ نے اپنے ایک مرید سے فرمایا کہ اے جانِ پدر! تجھے چاہیے کہ عجمی افکار و خیالات سے ہمیشہ پرہیز کرے۔

★ کیونکہ عجمی فکر کی پرواز مانا کہ آسمان سے بھی زیادہ اونچی ہے۔ لیکن وہ دینِ نبیؐ کی حدوں سے باہر نکل چکی ہے۔[1]

★ اے برادر! یہ نصیحت سُن۔ اس لیے کہ یہ نصیحت آقائے مِلّت کی نصیحت ہے۔

★ اپنے قلب کو کلامِ حق سے مضبوط بنا اور عربی مزاج اور تہذیب سے تعلق استوار کر (اور خود کو ساز گار بنا) تاکہ تو سچا مُسلم بن سکے۔

---

1 (سورہ فصلت: ۴۴) وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ءَ اَعْجَمِيٌّ وَّ عَرَبِيٌّ ط قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ ۔ اور اگر ہم اس قرآن کو غیر زبان عرب میں نازل کرتے تو یہ لوگ کہتے کہ اس کی آیتیں (ہماری زبان میں) کیوں کھول کر بیان نہیں کی گئیں۔ کیا خوب کہ قرآن تو عجمی اور مخاطب عربی۔ کہدو کہ جو ایمان لاتے ہیں ان کے لیے یہ ہدایت اور شفا ہے۔ (اور بہت ساری آیات ہیں مثلاً النحل ۱۰۳ + الشعرا ۱۹۵ + الرعد ۳۷ وغیرہ۔)

در معنی این که حُسنِ سیرتِ ملّیہ از تادّب بآدابِ محمّدیہ است

سائلے مثلِ قضائے مبرمے ‏ ‏ ‏ بر درِ ما زد صدائے پیہمے

از غضب چوبے شکستم بر سرش ‏ ‏ ‏ حاصلِ دریوزہ افتاد از برش

عقل در آغازِ ایّامِ شباب ‏ ‏ ‏ می نیندیشد صواب و ناصواب

از مزاجِ من پدر آزردہ گشت ‏ ‏ ‏ لالہ زارِ چہرہ اش افسردہ گشت

بر لبش آہے جگر تابے رسید ‏ ‏ ‏ در میانِ سینۂ او دل تپید

کوکبے در چشمِ او گردید و ریخت ‏ ‏ ‏ بر سرِ مژگاں دمے تابید و ریخت

ہمچوں آں مرغے کہ در فصلِ خزاں ‏ ‏ ‏ لرزد از بادِ سحر در آشیاں

در تنم لرزید جانِ غافلم ‏ ‏ ‏ رفت لیلائے شکیب از محملم

گفت فردا اُمّتِ خیر الرّسُلؐ ‏ ‏ ‏ جمع گردد پیشِ آں مولائے کُل

غازیانِ ملّتِ بیضائے او ‏ ‏ ‏ حافظانِ حکمتِ رعنائے او[۱]

---

۱ (سورہ توبہ: ۲۰) اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ لا اَعْظَمُ دَرَجَۃً عِنْدَ اللّٰہِ ط وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○ ★★

اس معنی میں کہ حُسنِ سیرتِ ملیہّ کا انحصار آدابِ محمدیہّ کی تحصیل و تادیب پر ہے

★ ایک مرتبہ ایک سائل ہمارے مکان کے دروازے پر آیا اور "اٹل قضا" کی طرح مسلسل صدا لگانے لگا۔

★ مجھے بڑا طیش آیا اور میں نے اس کے سر پر لاٹھی رسید کی (توڑ ڈالی) اور اس کے پاس کی ساری بھیک زمین پر گر پڑی۔

★ نوجوانی کے زمانے میں انسانی عقل اچھے بُرے (اور صواب و ناصواب) میں تمیز کرنے سے قاصر رہتی ہے۔

★ میرے اس مزاج اور حرکت پر میرے والد بہت آزردہ ہوئے اور ان کا لالہ کی طرح سُرخ و شگفتہ چہرہ افسردہ ہوگیا۔

★ ان کے لبوں سے ایک پُرسوز آہ نکلی اور ان کے سینے میں ان کا دِل (غم کی آگ میں جلنے اور) تڑپنے لگا۔

★ ان کی آنکھوں میں آنسو پیدا ہوئے اور ستاروں کی طرح پلکوں پر ایکدم کے لیے چمکے اور پھر ٹپک پڑے۔

★ اُس طائر کی مانند جو فصلِ خزاں میں اپنے آشیانے میں [illegible] کے سرد جھونکوں سے کانپ کانپ اُٹھتا ہے۔

★ میرے تن میں میری جانِ غافل کانپنے اور لرزنے لگی اور محمل دل سے صبر و شکیب کی لیلیٰ نے کوچ بول دیا۔ (مجھ میں ضبط کی تاب نہ رہی اور میں بے قرار ہوگیا۔)

★ میرے والد نے کہنا شروع کیا کہ کل حشر کے دِن خیر المرسلین کی اُمّت اُس مولائے کلّ کے حضور جمع ہوگی۔

★ ان میں ایک جانب ملتِ بیضا (ملتِ پُرنور) کے غازی ہوں گے (اور دوسری جانب) قرآنِ حکیم کے حافظ اور عالم و فاضل بھی ہوں گے۔

★★ جو لوگ ایمان لائے اور وطن چھوڑ گئے اور خدا کی راہ میں مال اور جان سے جہاد کرتے رہے۔ خدا کے ہاں ان کے درجے بہت بڑے ہیں اور وہی مُراد کو پہنچنے والے ہیں۔

ہم شہیدا نے کہ دیں را حجّت اند	مثلِ انجم در فضائے ملّت اند[1]
زاہدان و عاشقانِ دل فگار	عالمان و عاصیانِ شرمسار
درمیانِ انجمن گردد بلند	نالہ ہائے ایں گدائے دردمند
اے صراطت مشکل از بے مرکبی	من چہ گویم چو مرا پرسد نبیؐ

"حق جوانے مسلمے با تو سپرد

کو نصیبے از دبستانم نبرد

از تو ایں یک کار ہم آساں نشد

یعنی آں انبارِ گِل آدم نشد"

در ملامت نرم گفتار آں کریم | من رہینِ خجلت و اُمید و بیم

---

[1] (سورۃ الحدید: آیت ۱۹) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۙ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۙ

اور جو لوگ اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں وہی اپنے رب کے نزدیک صدّیق اور شہید (گواہ) ہیں۔ ان کے لیے ان کا اجر اور ان کا نور ہے۔

★ ان میں شہیدانِ ملت بھی ہوں گے جو دین کی دلیل و حجت ہوتے ہیں۔ اور فضائے ملت میں ستاروں کی طرح روشن ہیں۔[1]

★ ان میں پاکباز زاہد بھی ہوں گے اور سینہ چاک عشاق بھی' ان میں دانشور اور علماء بھی ہوں گے اور شرمسار عاصی بھی۔

★ ایسے عالم میں جب دکھیارا اور مظلوم سائل آہ وزاری کرے گا اور اس کے نالے اس میدان کی فضا میں گونجنے لگیں گے۔

★ تو اے میرے فرزند! (جب کہ تیرے لیے بغیر مرکب کے پلِ صراط پر چلنا سخت مشکل ہو جائے گا) اس وقت اگر نبی کریمؐ مجھ سے سوال کریں گے تو میں کیا جواب دوں گا۔

★ جب حضورؐ فرمائیں گے کہ: خدا نے ایک جوان مسلمان تیرے سپرد کیا تھا' اور اس نے میرے دلبستان سے کچھ بھی حاصل نہیں کیا۔

★ تجھ سے یہ آسان کام بھی انجام نہ ہو سکا۔ یعنی اس "تودۂ گِل" کو تو نے انسان نہیں بنایا؟ اس وقت میں کیا جواب دے پاؤں گا۔

★ اگرچہ وہ پیغمبر جو مجسم رحمت ہیں بڑے نرم انداز میں ملامت کریں گے لیکن میری خجالت' میری شرمساری اور امید و بیم کا کیا عالم ہو گا؟

---

[1] (سورہ النساء: ۶۹) وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ۚ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا

اور جو لوگ خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ قیامت کے روز ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر خدا نے بڑا فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے۔

اند کے اندیشں و یاد آرائے پسر | اِجتماعِ اُمّتِ خیرالبشر
بازایں ریشِ سفیدِ من نگر | لرزۂ بیم و اُمیدِ من نگر
بر پدر ایں جورِ نازیبا مکُن | پیشِ مولا بندہ را رسوا مکُن
غنچۂ از شاخسارِ مُصطفیٰ | گُل شو از بادِ بہارِ مُصطفیٰ
از بہارش رنگ و بو باید گرفت | بہرۂ از خلقِ او باید گرفت
مرشدِ رومی چہ خوش فرمودہ است | آنکہ یم در قطرہ اش آسودہ است
"مگسل از ختم الرسل ایّامِ خویش | تکیہ کم کن بر فن و بر گامِ خویش"
فطرتِ مسلم سراپا شفقت است | در جہاں دست و زبانش رحمت است[1]
آنکہ مہتاب از سرِ انگشتش دونیم | رحمتِ او عام و اخلاقش عظیم
از مقامِ او اگر دور ایستی | از میانِ معشرِ ما نیستی

---

[1] حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ارشاد ہے:
وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ (سورۃ انبیاء: ۱۰۷)
تو ان کی اُمّت بھی سراپا شفقت و رحمت ہونی چاہیے۔

★ اے میرے بچے! ذرا تو سوچ اور اس وقت کو یاد کر جب روزِ حشر خیر البشر کی اُمت کا اجتماع ہوگا اور سب کے سامنے مجھ سے باز پرس ہوگی۔

★ ذرا سوچ اور میری سفید ریش پر نظر ڈال اور امید و بیم کے عالم میں میری دلی پریشانی اور کپکپاہٹ پر غور کر۔

★ اپنے بوڑھے باپ پر اتنا ظلم نہ ڈھا اور اس مولائے کُل کے سامنے اس حقیر بندے کو رسوا اور شرمسار نہ کر۔

★ تو باغِ نبیؐ کی شاخ کا غنچہ ہے۔ لہٰذا بہارِ مصطفیٰ کے خوشگوار جھونکوں سے مسکراتا ہوا پھول بن۔

★ تجھے اس کی بہار سے رنگ و بو حاصل کرنا چاہیے اور اس کے اخلاقِ حسنہ سے استفادہ کر کے خود کو سنوارنا چاہیے۔

★ مولانا رومیؒ نے، جن کے دریائے فکر کے ایک ایک قطرے میں سمندر پوشیدہ ہے (جن کا ایک ایک جملہ ایک صحیفے کے برابر ہے) کیا خوب فرمایا ہے۔

★ اپنے رشتۂ حیات کو ختم رُسل سے ہرگز قطع نہ کر۔ اپنے علم و فن اور اپنے قدموں پر زیادہ اعتماد نہ کر۔ (حضورؐ کی سنت اور روش سے منہ نہ موڑ اور اپنے علم و فن اور روش پر اعتماد نہ کر)

★ شفقت کرنا مسلمان کی فطرت ہے۔ دنیا میں اس کی دست و زباں سے رحمت ہی نمایاں ہوتی ہے۔ وہ دنیا کے لیے رحمتِ مجسم ہوتا ہے۔

★ وہ ہستی کامل جس کی انگشت کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے ہوئے، اس کی رحمت خلق کے لیے عام ہے۔ وہ رحمت عالم ہے اور اس کے اخلاق عظیم ہیں۔[1]

★ اگر تو اس کے مقام سے دور جا پڑے تو پھر تو ہماری جماعت (معاشرے) سے تعلق نہیں رکھتا (جو حضورؐ کی راہ پر نہیں چلتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔)

---

[1] (سورۂ قمر: ۱) میں وَانْشَقَّ الْقَمَرُ اور شق ہوگیا چاند مذکور ہے اور رحمتِ عام کا ذکر اوپر آگیا ہے۔ حضور اکرمؐ کے لیے سورۃ القلم (آیت ۴) میں ارشاد ہے۔ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ اور بے شک آپ کے اخلاق بڑی شان والے ہیں۔

تو کہ مُرغِ بوستانِ ماستی ہم صفیر و ہم زبانِ ماستی

نغمہ‌ئی داری اگر تنہا مزن جُز بہ شاخِ بوستانِ ما مزن

ہر چہ ہست از زندگی سرمایہ‌دار میرد اندر عنصرِ ناسازگار

بلبل استی در چمن پرواز کُن نغمہ‌ئی با ہم‌نوایان ساز کُن

در عقاب استی تہِ دریا مزی جز بخلوت خانۂ صحرا مزی

کوکبی؟ می تاب بر گردونِ خویش

یا منہ بیرون ز پیرامونِ خویش

قطرۂ آبی گر از نیسان بری در فضائی بوستانش پروری

تا مثالِ شبنم از فیضِ بہار غنچۂ تنگش بگیرد در کنار

از شعاعِ آسمان تابِ سحر کز فسونش غنچہ می بندد شجر

عنصرِ نم برکشی از جوہرش ذوقِ رم از سالماتِ مضطرش

★ اگر (تجھے دعویٰ ہے کہ) تو ہمارے گلستان کا پرندہ ہے اور ہمارا ہمنوا اور ہم زبان ہے۔

★ تو پھر اگر تجھے نغمہ سرائی کرنا ہے تو تنہا نہ رہ کر اور وہ بھی صرف ہمارے گلستان کی شاخوں پر نغمہ سرائی کر۔ (ہم سے اور ہمارے گلشن کی شاخ سے الگ نوا سنجی نہ کر۔)

★ اس جہاں میں جس شے کو بھی زندگی کا سرمایہ حاصل ہے یعنی ہر جاندار شے اگر ناموافق ماحول میں گھر جائے تو جلد فنا ہو جاتی ہے۔[1]

★ اگر تو بلبل ہے تو چمن میں پرواز کر اور اپنے ہم جنسوں اور ہم نواؤں کے ساتھ ہی نغمہ سرائی کر۔ (تاکہ معلوم ہو کہ بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسولؐ میں۔)

★ اگر تو عقاب ہے تو دریا میں مچھلیوں کے ساتھ زندگی بسر نہ کر بلکہ صحرا کے سوا کسی اور جگہ اپنا آشیانہ تعمیر نہ کر۔ (تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں)

★ اگر تو ستارہ ہے تو آسمان میں تابانیاں کر اور اپنی دنیا اور اپنے دائرے سے باہر قدم رکھ۔

★ مثال کے طور پر یہ مشہور ہے کہ ابرِ نیساں کا قطرہ سیپ میں رہ کر موتی بنتا ہے۔ اگر تو ابرِ نیساں کا ایک قطرہ حاصل کرے اور یہ چاہے کہ سمندر کے بجائے باغ میں اس کی پرورش کرے

★ اور تیری کوشش سے باغ کا غنچہ (فیضِ بہار کے طفیل) اس قطرے کو شبنم کی طرح اپنی آغوش میں جگہ دے۔ (حالانکہ اسے سیپ کے جوف میں ہونا چاہیے۔)

★ اور پھر جب صبح کے وقت آسمان کو روشن کرنے والی شعاعیں نمودار ہوں، جن کے افسوں سے شاخ گل پر غنچے کھِل اُٹھتے ہیں۔

★ اس وقت (اس قطرے کو سخت و تابدار موتی بنانے کے لیے) تو ان کرنوں کی مدد لے اور چاہے کہ ان کی تمازت سے اس کی نمی کھینچ لے اور اس کے بیتاب ذرّوں سے حرکت (اور رفتار کا ذوق) چھین لے۔ (لیکن ان تمام کوششوں کے باوجود وہ قطرہ قطرہ ہی رہے گا۔)

---

[1] ہر جاندار شے اپنے ماحول میں پروان چڑھتی ہے اور مخالف ماحول میں فنا ہو جاتی ہے۔

گوہرت جز موجِ آبے ہیچ نیست
سعیٔ تو غیر از سرابے ہیچ نیست

در یم انداز شش کہ گردد گوہرے
تابِ او رلرزد چو تابِ اخترے

قطرۂ نیساں کہ مہجور از یم است
نذرِ خاشاکے مثالِ شبنم است

طینتِ پاکِ مسلماں گوہر است
آب و تابش از یمِ پیغمبرؐ است

آب نیسانی بآغوشش در آ
وز میانِ قلزمش گوہر بر آ

در جہاں روشن تر از خورشید شو
صاحبِ تابانیٔ جاوید شو

در معنیٔ ایں کہ حیاتِ ملّیہ مرکزِ محسوس می خواہد و مرکزِ ملّتِ اسلامیہ بیت الحرام است

می کشائیم عقدہ از کارِ حیات
سازمت آگاہِ اسرارِ حیات

چوں خیال از خود رمیدن پیشہ اش
از جہت دامن کشیدن پیشہ اش

★ تجھے معلوم ہو جائے گا کہ یہ قطرۂ نیساں ایک موجِ آب کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور (اسے گوہر بنانے کی) تیری ساری جدوجہد سراب کے دھوکے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

★ پس تو اگر اسے گوہر بنانا چاہتا ہے تو اس قطرۂ نیساں کو (باغ کی فضا سے نکال اور) سمندر میں ڈال تاکہ وہ گوہر بنے اور تارے کی طرح چمک دمک پیدا کرے۔

★ جو بھی قطرۂ نیساں سمندر سے محروم رہتا ہے تو وہ شبنم کی طرح خس و خاشاک اور خاک کی نذر ہو جاتا ہے۔

★ مسلمان کی پاک فطرت بھی گوہر کے مانند ہے اور اس کی آب و تاب بھی ذاتِ محمدیؐ کے سمندر سے حاصل ہو سکتی ہے۔

★ لہٰذا اگر تو قطرۂ نیساں ہے تو پھر اس سمندر کی آغوش میں در آ، اور اس کے قلزم سے گوہر بن کر نکل۔

★ اور پھر دنیا میں خورشید سے بھی زیادہ روشن اور تابناک بن اور ایسی تابناکی کا حامل بن جو جاوید اور دائمی ہو۔

اس بیان میں کہ حیاتِ ملیّہ کے لیے ایک مرکزِ محسوس کی ضرورت ہے

اور ملّت اِسلامیہ کا وہ مرکز بیت الحرام ہے

★ زندگی کیا ہے؟ اس کی عقدہ کشائی کرنا چاہتا ہوں۔ میں تجھے اسرارِ حیات سے باخبر کرنا چاہتا ہوں۔

★ خیال کی طرح اپنی ذات سے ماورا ہونا۔ (حرکت و پرواز کرنا) اس کا رویّہ ہے۔ جہات (حدود) سے دامن بچانا اس کی فطرت ہے۔ (زندگی سدا تغیّر پذیر ہے، حرکی ہے اور پابندِ جہات نہیں۔)

درجہانِ دیر و زود آید چساں؟ وقتِ او فرداودی زاید چساں؟

گر نظر داری یکے بر خود نگر جُز رمِ پیہم نہ اے بیخبر[1]

تا نماید تابِ نا مشہودِ خویش شعلۂ او پردہ بند از دودِ خویش[2]

سیرِ او را تا سکوں بیند نظر موجِ جولیش بستہ آمد در گہر

آتشِ او دم بخویش اندر کشید لالہ گردید و ز شاخے بر دمید

فکرِ خامِ تو گراں خیز است و لنگ ہمتِ گُل بست بر پروازِ رنگ

زندگی مرغِ نشیمن ساز نیست طائرِ رنگ است و جز پرواز نیست

---

[1] بے تاب ہے اس جہاں کی ہر شے کہتے ہیں جس کو سکوں نہیں ہے
رہتے ہیں ستم کشِ سفر سب تارے' انساں' شجر' حجر سب
فریبِ نظر ہے سکون و ثبات تڑپتا ہے ہر ذرۂ کائنات
سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی
ارتباطِ حرف و معنیٰ؟ اختلاطِ جان و تن جس طرح اخگر قبا پوش اپنی خاکستر سے ہے
دمادم رواں ہے یمِ زندگی ہر اک شے سے پیدا رمِ زندگی

[2] اسی سے ہوئی ہے بدن کی نمود کہ شعلے میں پوشیدہ ہے موجِ دود

★ وہ دیر و زود یعنی زمانِ مسلسل (شماری وقت۔ Serial time) کی دنیا میں کیونکر آتی ہے؟ اور خود کو امروز و فردا کی پابند کیوں بناتی ہے[1]؟

★ اگر تو صاحبِ نظر ہے تو خود اپنی ذات (اپنے اندرون) پر نظر ڈال۔ تجھے معلوم ہو گا کہ انسانی زندگی (خودی) "رمِ پیہم" یعنی مسلسل حرکت و رفتار کے سوا کچھ نہیں۔

★ وہ اصلاً ناشہود (غیر مرئی) ہے۔ (وہ جوہرِ حیات یا خودی ہے) لیکن خود کو ظاہر کرنے اور اپنا جلوہ دکھانے کی خاطر اپنے شعلے پر اپنے ہی دود (دھوئیں) کا غلاف چڑھا لیا ہے۔

★ تاکہ نظر اس کی حرکی حالت کو (سیر کو) سکونی شکل میں دیکھ سکے۔ اس لیے دریا کی موج نے موتی کی (جسمی یا مادی) شکل اختیار کر لی ہے[2]

★ اسی طرح (خودی یا) زندگی کی آگ نے دم کھینچا۔ (اور اپنے اندر سانس لی) اور پھر لالہ بن کر شاخ سے نمودار ہوئی[3]

★ دراصل تیری فکر کند (سست رفتار) اور لنگ ہے۔ لہٰذا وہ "رنگ کی پرواز" کو غلطی سے پھول کہتی ہے۔ (جو ایک قسم کا ابہام یا غلط بیانی ہے)

★ زندگی نشیمن بنا کر رہنے والا پرندہ نہیں ہے۔ وہ تو "طائرِ رنگ" گویا رنگ کا پرندہ ہے، جس کا کام پرواز ہے۔ (فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی)[4]

---

[1] خود کو مکان و زمان کی زنجیروں میں کیوں اسیر کر لیتی ہے؟

[2] خودی جلوہ بدست و خلوت پسند — سمندر ہے اِک بوند پانی میں بند

[3] الغرض ناشہود خودی (یا زندگی) نے خود کو نمایاں کرنے کے لیے کائنات کی رنگارنگ شکلیں اختیار کیں۔ ہمیں جو کچھ نظر آتا ہے سب خودی (یا زندگی) کے جلوے ہیں۔

[4] گویا زندگی انقلابِ مسلسل اور پروازِ پیہم کا نام ہے۔

فطرتش آزاد ہم زنجیری است — جزوِ او را قوّتِ کُل گیری است
خو گرِ پیکارِ پیہم دیدمش — ہم خودی ہم زندگی نامیدمش

در قفس واماندہ و آزاد ، ہم | با نواہا می زند فریاد ، ہم
از پرش پرواز شوید دمبدم | چارۂ خود کردہ جوید دمبدم

عقدہ ہا خود می زند در کارِ خویش | باز آساں می کند دشوارِ خویش
پا بگِل گردد حیاتِ تیز گام | تا دو بالا گردد ش ذوقِ خرام[1]

ساز ہا خوابیدہ اندر سوزِ او | دوش و فردا زادۂ امروزِ او
دمبدم مشکل گر و آساں گذار | دمبدم نو آفریں و تازہ کار

گرچہ مثلِ بو سراپایش رم است | چوں وطن در سینۂ گردم است
رشتہ ہائے خویش را بر خود تند | تکمۂ گردد گرہ بر خود زند
در گرہ چوں دانہ دارد برگ و بر | چشم بر خود وا کند گردد شجر

---

[1] سفر اس کا انجام و آغاز ہے | یہی اس کی تقویم کا راز ہے
کرن چاند میں ہو شرر سنگ میں | یہ بے رنگ ہے ڈوب کر رنگ میں
ازل سے ہے یہ کشمکش میں اسیر | ہوئی خاکِ آدم میں صورت پذیر
گراں گرچہ ہے صحبتِ آب و گل | خوش آئی اسے محنتِ آب و گل

★ وہ قفس (جسم) میں قید بھی ہے اور آزاد بھی۔ وہ نغمہ سرائی بھی کرتی ہے اور نالہ و فریاد بھی۔

★ وہ گویا ہر لمحہ اپنے پروں سے پرواز کو جھاڑتی ہے (دھوتی ہے) اور اپنے کیے کا علاج خود ہی کرتی رہتی ہے۔ (اپنے اعمال کا جائزہ لیتی رہتی ہے۔)

★ وہ اپنے کاموں میں خود ہی مشکلیں پیدا کرتی ہے اور پھر خود ہی ان دشواریوں کی گرہیں کھولتی رہتی ہے۔ (اور اس طرح کشاکشِ پیہم اور جہدِ مسلسل میں خود کو سرگرم رکھتی ہے۔)

★ اسی طرح یہ تیز رفتار (یا برق پرواز) حیات خود کو "پا بگل" کر لیتی ہے۔ (یعنی آب و گل کی دنیا سے اپنا رشتہ قائم کرتی ہے[1])

★ اس کے سوز میں ساز پوشیدہ ہے۔ (اس کی مشکل پسندیاں آسانیاں پیدا کرتی ہیں۔) اس کے امروز میں دوش و فردا پیوست ہیں۔ اس کے حال میں ماضی اور مستقبل پیوست ہوتے ہیں[2]۔

★ وہ ہر لمحہ اپنے حق میں مشکلیں پیدا کرتی ہے اور پھر انھیں آسان بناتی ہے۔ وہ ہر لمحہ نت نئی باتیں پیدا کرتی ہے۔ (مقاصد آفرینی، تازہ کاری اور مسلسل خلاقی اس کی فطرت ہے[3]۔)

★ اگرچہ حیات خوشبو کی طرح سراپا "دم" ہے۔ (یعنی حیات حرکت و عمل یا رفتار و پرواز کا نام ہے) لیکن جب سینے میں سکونت اختیار کرتی ہے تو "دم" (سانس) بن جاتی ہے۔

★ وہ ریشم کے کیڑے کی طرح اپنی ہی ذات کے ارد گرد تانے بانے (گوشت پوست) بُنتی ہے اور گھنڈی یا تکمہ (بدن) بن کر خود پر گرہ لگاتی ہے۔

★ بیج کی طرح اپنی ہی ذات میں برگ و بار پوشیدہ رکھتی ہے اور پھر جب آنکھ کھولتی ہے تو شجر (یا انسانی بدن) بن جاتی ہے۔

---

[1] تاکہ اس سے اس کا ذوقِ خرام دگنا ہو جائے۔ (یعنی اس کے عمل میں اور تیزی پیدا ہو۔)

[2] زمانہ ایک غیر منقطع حرکت و عمل کا نام ہے۔

[3] ذوقِ جدّت سے ہے ترکیبِ مزاجِ روزگار

خلعتے از آب و رگِل پیدا کند　　　دست و پا و چشم و دل پیدا کند

خلوت اندر تن گزیند زندگی

انجمن ہا آفریند زندگی

ہم چناں آئینِ میلادِ اُمم　　　زندگی بر مرکزے آید بہم

حلقہ را مرکز چو جاں پیکر است　　　خطِّ او در نقطۂ او مضمر است

قوم را ربط و نظام از مرکزے　　　روزگارش را دوام از مرکزے

راز دار و رازِ ما بیت الحرم　　　سوزِ ما ہم سازِ ما بیت الحرم

چو نفس در سینۂ او پروریم　　　جانِ شیرین است او ما پیکریم

تازہ رو بُستانِ ما از شبنمش　　　مزرعِ ما آب گیر از زمزمش

تابدار از ذرّہ ہایش آفتاب　　　غوطہ زن اندر فضایش آفتاب

چمک اس کی بجلی میں تارے میں ہے　　　یہ چاندی میں سونے میں پارے میں ہے

اسی کے بیاباں اسی کے ببُول　　　اسی کے ہیں کانٹے اسی کے ہیں پھُول

★ وہ اپنے لیے آب و گل (عناصر اربعہ) کا خلعت تیار کرتی ہے اور دست و پا اور آنکھ اور دل پیدا کر لیتی ہے۔

★ اسی طرح زندگی تن کی خلوت میں سکونت اختیار کرتی ہے اور پھر اسی کے ساتھ انجمن آرائیاں بھی کرتی رہتی ہے۔ (انفرادی زندگی معاشرہ میں گھل مل جاتی ہے۔)

(زندگی انجمن آرا و نگہبانِ خود است   اے کہ در قافلۂ بی ہمہ شو با ہمہ شو)

★ قوموں کی پیدائش اور ان کے وجود کے لیے بھی یہی اصول کارفرما ہے اور وہ یہ ہے کہ زندگی ایک مرکز کے گرد احاطہ کر لیتی ہے۔[1]

★ دائرے کے لیے مرکز کی حیثیت وہی ہے جو جسم کے لیے جان کی ہے۔ دائرے کا پورا خط اس کے مرکزی نقطہ پر منحصر ہوتا ہے۔ گویا پورا خط مرکز میں پوشیدہ یا سمٹا ہوا ہوتا ہے۔

★ اسی طرح قوم کے ربط و ضبط اور نظام کا دارومدار اس کے مرکز پر ہوتا ہے۔ اس کا وجود اس کی زندگی کا دوام اس کے مرکز پر مبنی ہوتا ہے۔[2]

★ ہماری ملت کا مرکز بیت الحرام ہے۔ وہی ہمارا راز اور رازدار ہے۔ ہمارا سوز و ساز، ہمارے مقاصد اور ارادے، ہمارے شب و روز کے افکار و اعمال الغرض ہماری حیاتِ ملی کی اساس وہی ہے۔

★ ہم اس کے سائے میں اسی طرح پرورش پاتے ہیں جس طرح سینے میں سانس۔ وہ ہماری جانِ عزیز ہے اور ہم اس کا بدن (اس کا ترک کرنا گویا جسم کا بے جان ہو جانا ہے۔)

★ اس کی شبنم سے ہماری ملت کا گلستاں تازہ اور سرسبز و شاداب ہے۔ اس کے زمزم سے ہماری کھیتی کی آبیاری ہوتی ہے۔

★ اس کے ذروں سے آفتاب کی روشنی اور تابانی ہے۔ جو سدا اس کی فضاؤں میں غوطے لگاتا رہتا ہے۔

---

[1] جس طرح زندگی (جان یا خودی) بدن کا مرکز ہوتی ہے۔ اسی طرح قوم کا بھی مرکز ہوتا ہے۔

[2] (سورۃ المائدۃ: ۹۷) جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ ۝

خدا نے عزت کے گھر یعنی کعبے کو لوگوں کے لیے موجبِ امن مقرر فرمایا ہے۔

دعویٰ او را دلیل استیم ما — از براہینِ خلیلؑ استیم ما

در جہاں ما را بلند آوازہ کرد — با حدوثِ ما قدم شیرازہ کرد

ملّتِ بیضا ز طوفش ہم نفس — ہمچو صبح آفتاب اندر قفس

از حسابِ او یکی بسیاریت — پختہ از بندِ یکی خودداریت

تو ز پیوندِ حریمے زندۂ — تا طوافِ اُو کنی پائندۂ

در جہاں جانِ اُمم جمعیّت است — در نگر سرِّ حرم جمعیّت است[1]

عبرتے اے مُسلمِ روشن ضمیر — از مآلِ اُمّتِ موسیٰ بگیر

داد چوں آں قوم مرکز را ز دست — رشتۂ جمعیّتِ ملّت شکست

آنکہ بالید اندر آغوشِ رُسُل — جزوِ او دانندۂ اسرارِ کل

دہر سیلی بر بناگوشش کشید — زندگی خوں گشت واز چشمش کشید

---

[1] (سورۂ آلِ عمران آیت ۱۰۳) میں واعتصمو بحبلِ اللہ جمیعاً ہ کا ذکر اس سے پہلے آچکا ہے۔

★ ہم اس کے دعویٰ کی دلیل ہیں۔ ہم ابراہیم خلیل اللہ کے گواہوں (حجت و دلیل) میں سے ہیں۔

★ اس نے ہمیں دنیا میں مشہور اور باوقار کیا اور حدوث کو قِدم سے یعنی خدائے ازلی سے ہمارا رشتہ جوڑا ہے۔ (یعنی رہتی دنیا تک ملتِ اسلامیہ کا وجود قائم رہے گا۔)

★ ملتِ بیضا اس کے طواف سے ہم نفس و ہم آہنگ بنی ہوئی ہے اور اس میں اتحاد و اخوت کا جذبہ کار فرما ہے۔[1]

★ اس کے تعلق سے تیری کثرت (بسیاری) میں وحدت (یکرنگی) ہے اور اس باہمی اتحاد و اخوت (اور مرکز کی پابندی) کی وجہ سے تیری خودی میں پختگی اور خودداری میں صلابت ہے۔

★ تو اس حریم (خانہ کعبہ) سے وابستگی کی وجہ سے زندہ ہے اور جب تک تو اس کا طواف کرتا رہے گا (اور اس سے اپنا رشتہ قائم رکھے گا) تو باقی اور پائندہ رہے گا۔)

★ دنیا میں جمعیّت (مرکزیت، جماعتی وحدت و اخوت) ہی قومیت کی جان ہے۔ (ذرا غور کر تجھے معلوم ہوگا کہ) جمعیّت ہی سے قومیں بنتی ہیں۔[2]

★ اے روشن ضمیر مسلم! حضرت موسیٰ کی قوم کے المناک انجام سے عبرت اور سبق حاصل کر۔[3]

★ جب اس قوم نے مرکزیت کو ہاتھ سے کھو دیا تو اس کی قومی جمعیّت کا رشتہ کٹ گیا اور ان کی قومی سالمیت ختم ہو کر رہ گئی۔

★ جو قوم پیغمبروں کے آغوش میں پروان چڑھی اور جن کے بعض دانشور اور اہلِ نظر دانائے راز تھے لیکن جب اس نے مرکزیت کو ہاتھ سے چھوڑا تو اس کا انجام یہ ہوا کہ

★ زمانے نے ان کے (کانوں پر) ایسے طمانچے رسید کیے (ایسی سخت سزائیں دیں) کہ زندگی لہو لہان ہوگئی اور ان کی آنکھوں سے خون بن کر ٹپکنے لگی۔

---

[1] جس طرح وقتِ صبح آفتاب اور اس کی شعاعیں قفس کی تیلیوں کی طرح باہم پیوست ہوتی ہیں اسی طرح ہم ایک ہیں۔

[2] اور تیری جمعیّت (اور قومیت) کا دار و مدار کعبے پر ہے لہٰذا کعبہ ہی تیری جمعیّت، تیری ملت کا راز ہے۔

[3] پچھلے صفحوں میں "عبرت از احوالِ اسرائیل گیر" سے متعلق آیت ملاحظہ فرمائیے۔

رفت نم از اندیشہ ہائے تاکِ او　　　بیدِ مجنوں ہم نروید خاکِ او

از گلِ غربت زباں گم کردۂ　　　ہم نوا، ہم آشیاں گم کردۂ

شمع مرد و نوحہ خواں پروانہ اش　　　مشتِ خاکم لرزد از افسانہ اش

اے ز تیغِ جورِ گردوں خستہ تن　　　اے اسیرِ التباس و وہم وظن

پیرہن را جامۂ احرام کن　　　صبح پیدا از غبارِ شام کن

مثلِ آبا غرق اندر سجدہ شو　　　آنچناں گم شو کہ یکسر سجدہ شو

مسلمِ پیشیں نیازے آفرید　　　تا بہ نازِ عالم آشوبے رسید

در رہِ حق پا بہ نوکِ خار خست

گلستاں در گوشۂ دستار بست

در معنیٔ ایں کہ جمعیّت حقیقی از محکم گرفتن نصب العین مِلّیہ است و نصب العین اُمّت محمّدیہ حفظ و نشرِ توحید است

با تو آموزم زبانِ کائنات　　　حرف و الفاظ است اعمالِ حیات

★ ان کی انگور کی بیلیں سوکھ گئیں اور ان کے کشت زاروں کا یہ حال ہوا کہ ان کی خاک سے اب بید مجنوں بھی پیدا نہیں ہوتا۔ (قومی کھیتی اجڑ گئی اور قومی شیرازہ بکھر گیا)

★ انھیں وطن سے بے وطن ہونا پڑا اور غربت کی خاک چھاننا پڑی۔ غربت کی وجہ سے ان کی زبان بھی بدل گئی اور وہ اپنے نغموں اور آشیانوں کو بھول گئے۔

★ شمع بجھ گئی (مرکزیت اور مذہبی روح ختم ہوگئی) اور پروانہ نوحہ خواں ہے۔ ان کی المناک داستان پر میرے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

★ اے مسلمان! کہ جو ظالم گردوں کی تیغِ ستم سے مجروح اور نڈھال ہے۔ اے برادر جو شکوک اور شبہات اور وہم و گمان کا شکار بنا ہوا ہے۔

★ بیت الحرم سے اپنا رشتہ استوار کر (اور احرام کا پیرہن اختیار کر) غبارِ شام سے خوشگوار صبح پیدا کر اور اپنے زوال کو عروج میں بدل کر رکھ دے۔

★ اپنے باپ دادوں کی طرح سچی اسلامی روح اور عشق الٰہی پیدا کر اور حضور خداوندی میں سجدہ ریزی کر اور وہ بھی اس طرح کہ سراپا سجدہ بن جا۔

★ پچھلے مسلمانوں نے نیازمندی (عشق الٰہی) اختیار کی جس کے نتیجے میں بڑے ناز اور شان و شوکت کے ساتھ سارے عالم میں تہلکہ برپا کر دیا اور ایک زمانے تک نازشِ عالم بنے رہے۔

★ اُنھوں نے راہِ حق میں اپنے پاؤں کو کانٹوں سے لہو لہان کیا اور اس کے نتیجے میں ان کے دستار کے گوشوں میں گلشن (کے پھول) مسکرانے لگے۔

اس معنی میں کہ حقیقی جمعیّتِ ملّت کے نصب العین کو مضبوطی سے پکڑنے میں ہے، اور اُمّتِ محمّدیہ کا نصب العین حفظ و نشرِ توحید ہے۔

★ میں تجھے کائنات کی زبان سکھلاتا ہوں اور وہ ہے عمل۔ زندگی کے اعمال ہی اس کائناتی زبان کے حروف اور الفاظ ہیں۔

چوں ز ربطِ مدعائے بستہ شد — زندگانی مطلعِ برجستہ شد

مدّعا گردد اگر مہمیزِ ما — ہمچو صرصر می‌شود شبدیزِ ما

مدّعا رازِ بقائے زندگی — جمعِ سیمابِ قوائے زندگی

چوں حیات از مقصدی محرم شود — ضابطِ اسبابِ ایں عالم شود

خویشتن را تابعِ مقصد کند — بہرِ او چیند، گزیند، رد کند

ناخدا را یم روی از ساحل است — اختیارِ جادہا از منزل است

بر دلِ پروانہ داغ از ذوقِ سوز — طوفِ او گردِ چراغ از ذوقِ سوز

قیس اگر آوارہ در صحراستے — مدّعایش محملِ لیلاستے

تا بود شہر آشنا لیلائے ما — بر نمی‌خیزد بصحرا پائے ما

ہمچو جاں مقصود پنہاں در عمل — کیف و کم از وے پذیرد ہر عمل

گردشِ خونے کہ در رگہائے ماست — تیز از سعیِ حصولِ مدعاست

از تفِ او خویش را سوزد حیات — آتشے چوں لالہ اندوزد حیات

★ جب زندگی کسی آرزو یا مدّعا سے رابطہ قائم کرتی ہے تو غزل کا بے ساختہ اور حسین مطلع بن جاتی ہے۔

★ جب کوئی مقصد یا مدّعا ہمارے لیے مہمیز (ایڑ) بن جاتا ہے تو ہماری حیات کا شبدیز (مشکی گھوڑا) طوفانی ہوا کی طرح دوڑنے لگتا ہے۔

★ مدّعا ہی زندگی کی بقا کا راز ہے۔ وہ زندگی کی سیمابی قوتوں کو ایک مرکز پر لے آتا ہے۔ (مدّعا کی وجہ سے زندگی کی منتشر قوتیں متحد ہو جاتی ہیں۔)

★ جب حیات کسی مقصد سے باخبر ہوتی ہے اور اسے اپناتی ہے تو وہ کائنات کے اسباب و علل (اس کے کاروبار) میں نظم و ضبط پیدا کرتی ہے۔

★ وہ خود کو مقصد کے تابع کردیتی ہے، اور اس کے حصول کے لیے حسب ضرورت مختلف باتوں کو چنتی ہے، قبول کرتی ہے یا رد کرتی ہے۔ (اس طرح ردّ و قبول کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔)

★ ساحل مقصود پر پہنچنے کے لیے ناخدا بحری سفر اختیار کرتا ہے۔ اسی طرح منزل پر پہنچنے کے لیے مسافر راستوں کا سفر اختیار کرتے ہیں۔

★ اسی طرح شوقِ طلب اور ذوقِ آرزو میں پروانہ چراغ کے گرد دیوانہ وار طواف کرتا ہے اور اپنے دل کو جلاتا ہے۔

★ اگر قیس دشت و صحرا میں آوارہ بھٹک رہا ہے تو اس کا مقصود محملِ لیلیٰ کو حاصل کرنا ہے۔

★ اس کے برعکس اگر ہم قیس کی طرح صحرانوردی نہیں کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری لیلیٰ شہر میں سکونت پذیر ہے۔

★ جسم میں جان کی طرح مقصود بھی عمل میں پوشیدہ ہوتا ہے اور اسی طرح ہر عمل کی اہمیت اور اس کی قدر و قیمت کا پتہ چلتا ہے۔

★ مدّعا کے حصول کی جدوجہد سے ہمارے شریانوں میں خون کی گردش تیز سے تیز تر ہو جاتی ہے۔

★ اس کی گرمی سے حیات خود کو گرماتی اور جلاتی ہے اور لالہ کی طرح اپنے سینے میں لگن کی آنچ مشتعل کرتی ہے۔

مدّعا مضرابِ سازِ ہمت است　　　مرکزے کو جاذبِ ہر قوت است

دست و پائے قوم را جنباند او　　　یک نظر صد چشم را گرداند او

شاہدِ مقصود را دیوانہ شو　　　طائفِ ایں شمع چوں پروانہ شو

خوش نوائے نغمہ سازِ قُم زد است　　　زخمہ معنی برابریشم زد است

تا کشد خار از کفِ پا رہ سپر　　　می شود پوشیدہ محمل از نظر[1]

گر بقدر یک نفس غافل شدی

دور صد فرسنگ از منزل شدی

ایں کہن پیکر کہ عالم نامِ اوست　　　زامتزاجِ امہاتِ اندامِ اوست

صد نیستاں کاشت تا یک نالہ رست　　　صد چمن خوں کرد تا یک لالہ رست

---

[1] رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر　　　یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد (ملک قمی)
میں کچھ دیر کے لیے راستے سے الگ ہو بیٹھا تاکہ اپنے پاؤں سے کانٹا نکال لوں۔ اتنے میں محملِ لیلیٰ آیا اور نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میں نے ایک لمحے کے لیے غفلت برتی اور اب میری راہ (منزل) سَو سال دور ہو گئی۔

★ مدعا سازِ ہمت کی مضراب ہے۔ وہ ایسا مرکز ہے جو مقناطیس کی طرح تمام قوتوں کو اپنی جانب کھینچ لیتا ہے۔

★ وہ قوم کے ہاتھ پاؤں کو حرکت و عمل پر آمادہ کرتا ہے اور ہزاہا آنکھوں کو "یک نظر" بنا دیتا ہے۔ (ان میں وحدتِ فکر و نظر اور وحدتِ عمل پیدا کرتا ہے۔)

★ لہٰذا اے برادر! "شاہدِ مقصود" (یعنی نصب العین) کا دیوانہ بن اور شمعِ مقصود کے گرد پروانے کی طرح طواف کر۔

★ شہرِ قم کے مغنّی (یعنی مَلک الشعرا ملکِ قُمّی) نے معنی کے ساز کے ابریشمی تاروں کو چھیڑ کر نہایت ہی دلکش نغمہ سُنایا ہے۔ یعنی بڑا ہی حسین اور بلیغ شعر کہا ہے۔

★ جس کا مفہوم یہ ہے کہ جب صحرا میں بھٹکنے والا عاشق (قیس) راستے کے کنارے بیٹھ کر اپنے پاؤں سے کانٹا نکالنے میں محو ہو جاتا ہے اتنی دیر میں لیلیٰ کا محمل وہاں سے گزر جاتا ہے[1]۔

★ لہٰذا اے ہمدم! اگر دنیا میں ایک لمحہ بھی غافل رہے گا تو تُو اپنی منزلِ مقصود سے صدہا میل دور جا پڑے گا۔

★ یہ پُرانا کرۂ خاکی جسے عالم کہتے ہیں اور جس کا پیکر عناصرِ اربعہ کے میل سے بنا ہے۔

★ اس نے صدہا نیستاں اگائے تب کہیں جا کر ایک "نالۂ نَے" پیدا ہوا۔ اس نے سینکڑوں چمن کا خون کیا تب کہیں جا کر ایک "لالہ" نمودار ہوا۔

---

[1] اور نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔

نقشہا آورد و افگند و شکست — تا بہ لوحِ زندگی نقشِ تو بست

نالہ ہا در کشتِ جاں کاریدہ است — تا نوائے یک اذاں بالیدہ است

مدتے پیکار با احرار داشت — با خداوندانِ باطل کار داشت

تخمِ ایماں آخر اندر گِل نشاند — با زبانت کلمۂ توحید خواند

نقطۂ ادوارِ عالم لا الٰہ — انتہائے کارِ عالم لا الٰہ

چرخ را از زورِ او گردندگی — مہر را پایندگی رخشندگی

بحر گوہر آفرید از تابِ او — موج در دریا تپید از تابِ او

خاک از موجِ نسیمش گل شود — مشتِ پر از سوزِ او بلبل شود

شعلہ در رگہائے تاک از سوزِ او — خاکِ مینا تابناک از سوزِ او

نغمہ ہایش خفتہ در سازِ وجود — جویدت اے زخمہ در سازِ وجود

صد نوا داری چو خوں در تن رواں — خیز و مضرابے بہ تارِ او رساں

زانکہ در تکبیر رازِ بودِ تست — حفظ و نشرِ لا الٰہ مقصودِ تست

★ اس نے بے شمار نقش سوچے، بنائے اور بگاڑے (اور توڑے) تب کہیں جاکر "لوحِ حیات" پر (دنیا میں) تیرے نقش کی تکمیل ہوئی۔

★ اس نے "کشتِ جان" میں صد ہا نالے بوئے تب کہیں جاکر ایک "نوائے اذان" پیدا ہوئی ہے۔

★ مدتوں اسے باطل خداوندوں سے الجھنا پڑا (کام رہا) اور نیک اور آزاد انسانوں کا پیکار کرنا پڑا۔

★ اور آخر کار ایمان کا بیج مشتِ گِل (انسان کے دل) میں بویا گیا اور پھر کہیں جاکر تیری زبان سے اس نے (دنیا نے) کلمۂ توحید پڑھا۔

★ اس دنیا کی تمام گردشوں کا نقطۂ آغاز لاالٰہ ہے اور اس کی انتہا اور انجام بھی لاالٰہ ہے۔

★ اسی کے زور اور گرمی سے چرخ کی گردش قائم ہے اور اسی سے سورج کی روشنی اور پائندگی ہے۔

★ اسی کی روشنی اور تپش سے سمندر نے گوہر پیدا کیے اور اسی کی گرمی سے سمندر میں موجیں تڑپنے اور لہرانے لگیں۔

★ اسی کی موجِ نسیم سے خاک سے پھول کھل اٹھتے ہیں۔ (خاک پھول بن جاتی ہے) اور اسی کے سوز (گرمی) سے مشتِ پر، بلبل کی شکل اختیار کرتے ہیں۔

★ اسی کے سوز سے تاک (انگور کی بیل) کی شریانوں میں آگ دوڑنے لگتی ہے۔ (جو آتشیں شراب کی شکل اختیار کرتی ہے) اور خاک بلورین جام بن کر چمکتی ہے۔

★ سازِ وجود (کائنات و حیات) کے تاروں میں اس کے نغمے پوشیدہ (محوِ خواب) ہیں۔

اے انسان، اے مطرب، وجود کا ساز، تیرا اور تیری مضراب زنی کا منتظر ہے۔

★ شریانوں میں دوڑتے ہوئے خون کی طرح تجھ میں صد ہا نغمے موجود ہیں۔ لہٰذا اٹھ اور اپنی مضراب سے اس کے تاروں کو چھیڑ۔

★ چونکہ تکبیر میں تیرے وجود کا راز پوشیدہ ہے، لہٰذا تیری حیات کا مقصد لاالٰہ کی نشر و اشاعت اور اس کا تحفظ ہے۔

تا نہ خیزد بانگِ حق از عالمے گر مسلمانی نیاسائی دمے

می ندانی آیۂ اُمّ الکتاب اُمّتِ عادل ترا آمد خطاب[1]

آب و تابِ چہرۂ ایّام تو در جہاں شاہد علی الاقوام تو

نکتہ سنجاں را صلائے عام دہ از علومِ اُمّیے پیغام دہ

اُمّیے پاک از ہوٰی گفتارِ او شرحِ رمزِ مَا غوٰی گفتارِ او

تا بدست آوردِ نبضِ کائنات وانمود اسرارِ تقویمِ حیات

از قبائے لالہ ہائے ایں چمن پاک شست آلودگیہائے کہن

در جہاں وابستۂ دینش حیات نیست ممکن جز بآئینش حیات

اے کہ می داری کتابش در بغل تیز تر نہ پا بہ میدانِ عمل

---

[1] (سورہ البقرہ: ۱۴۳) وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ

اور اسی طرح ہم نے تم کو امّتِ معتدل (عادل) بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر آخر الزّماں تم پر گواہ بنیں۔

★ اگر تو مسلمان ہے تو تجھے اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھنا چاہیے جب تک آوازِ حق تمام عالم کی زبان پر جاری نہ ہو جائے۔

★ کیا تو نہیں جانتا کہ ام الکتاب یعنی قرآن پاک نے اپنی ایک آیت میں تجھے "امتِ عادل" کے خطاب سے نوازا ہے۔

★ تو زمانے کے چہرے کی آب و تاب اور آبرو ہے۔ دنیا میں اقوامِ عالم کے لیے تجھے خدا کا شاہد بنا کر بھیجا گیا ہے۔

★ لہٰذا باشعور اور ذی ہوش (نکتہ دان) لوگوں کو صلائے عام (اذنِ عام) دے، اور ایک اُمّی (پیغمبرِ اسلام) کی تعلیمات (علوم) کا پیغام پہنچا۔

★ وہ اُمّی (ناخواندہ) رسول جن کی گفتار "وما ینطق عن الھویٰ" (وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا) کے غبار سے پاک ہے۔[1]

★ جب اس نے نبضِ کائنات کو اپنے ہاتھ میں لیا تو تقویم حیات یعنی انسانی زندگی اور انسانی تہذیب کے تمام اسرار نمایاں ہو گئے۔

★ اس نے چمنستانِ حیات کے لالہ و گل کی قباؤں کو قدیم زمانے کی تمام آلودگیوں سے (دھو کر) پاک اور صاف کر ڈالا۔

★ اس جہاں میں دراصل حیات اس کے دین سے وابستہ ہے اور اس کا وجود اس کے آئین کے بغیر ناممکن ہے۔

★ اے برادر! تو اس کی آسمانی کتاب اپنی بغل میں رکھتا ہے۔ اُٹھ اس کی روشنی میں میدانِ عمل میں گامزن ہو جا۔

---

[1] مَاضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَاغَوٰی ۝ تمہارا رفیق نہ بھٹکا ہے نہ بہکا ہے۔ (النجم آیت: ۲)

★ وَمَایَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی ۝ اِنْ ھُوَاِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝ وہ اپنی خواہشِ نفس سے نہیں بولتا۔ یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔ (النجم آیت: ۳)

★ (اس کی گفتگو نفس کی خواہش سے پاک تھی اور جو کچھ کہتا وہ وحی الٰہی کے مطابق ہوتا۔ لہٰذا اس میں گمراہی کی کوئی بات نہ تھی۔)

فکرِ انساں بُت پرستے بُت گرے | ہر زماں در جستجوئے پیکرے
باز طرحِ آزری انداخت است | تازہ تر پروردگارے ساخت است
کاید از خوں ریختن اندر طرب | نامِ او رنگ است وہم ملک و نسب
آدمیت کشتہ شد چوں گوسفند | پیشِ پائے ایں بُتِ نا ارجمند
اے کہ خوردستی ز مینائے خلیل[۴] | گرمیِ خونت ز صہبائے خلیل[۴]
بر سرِ ایں باطلِ حق پیرہن | تیغِ لَا مَوْجُوْدَ اِلَّاھُوْ بزن
جلوہ در تاریکیِ ایام کن | آنچہ بر تو کامل آمد عام کن[۱]
لرزم از شرمِ تو چوں روزِ شمار | پر رسدت آں آبروئے روزگار

حرفِ حق از حضرتِ ما بردۂ
پس چرا با دیگراں نسپردۂ

---

[۱] اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۝
آج کے دن میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کردیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کردی اور تمھارے لیے پسند کرلیا کہ دین اسلام ہو۔

★ اِنسانی فکر دراصل بُت گر اور بُت پرست واقع ہوئی ہے اور ہر وقت نت نئے اصنام کے پیکر کی متلاشی رہتی ہے ۔

★ اس نے پھر سے آزری (حضرت ابراہیمؑ کے باپ جو بت تراش تھے) کی نیو ڈالی ہے اور ایک نیا بُت (خُدا) تراشا ہے ۔

★ جو انسانوں کا خون بہا کر خوش ہوتا ہے اور اس نئے بُت یا خدا کا نام رنگ و نسل اور وطن (یعنی وطن پرستی اور نسب پرستی) ہے ۔

★ اس کی وجہ سے انسان بھیڑ بکریوں کی طرح اس کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھائے جا رہے ہیں ۔ اس طرح اس منحوس بُت کے قدموں پر انسانیت کا خون ہو رہا ہے ۔

★ اے ہم نفس تو نے حضرت ابراہیم خلیل کے خمخانے سے جام پیا ہے ۔ (دینِ اسلام بنیادی طور پر دینِ ابراہیمی ہے) اور اس کی صہبا (شراب) سے تیز خون کی گرمی (اور گردش) ہے ۔

★ اُٹھ اور اس باطل کے سر پر جس نے بظاہر پیراہنِ حق پہن رکھا ہے "لاموجود اِلاّھو" کی تیغ کی ضرب لگا اور اسے نیست و نابود کر دے ۔

★ اور زمانے کے تاریک ایام میں روشنی پھیلا اور جو کامل نظام تجھے دیا گیا ہے (الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی) اس کو چار دانگ عالم میں عام کر ۔

★ میں اس تصور سے کانپ اٹھتا ہوں جب میدانِ حشر میں رسولِ مقبولؐ جو آبروئے زمانہ ہیں تجھ سے سوال کریں گے کہ

★ ہمارے پاس سے حرفِ حق یعنی قرآن مجید تجھے دیا گیا تھا ۔ تو نے اسے دوسروں تک کیوں نہیں پہنچایا ؟

در معنیٔ این که توسیعِ حیاتِ ملّیہ از تسخیرِ قوائے نظامِ عالم است

اے کہ با نادیدہ پیماں بستۂ   ہمچو سیل از قیدِ ساحل رستۂ
چوں نہال از خاکِ ایں گلزار خیز   دل بہ غائب بند و با حاضر ستیز
ہستی حاضر کند تفسیرِ غیب   می شود دیباچۂ تسخیرِ غیب
ماسوا از بہرِ تسخیر است و بس   سینۂ او عرضۂ تیر است و بس
از کُنِ حق ماسوا شد آشکار   تا شود پیکانِ تو سنداں گذار[1]
رشتہ باید گرہ اندر گرہ   تا شود لطفِ کشودن را فرہ
غنچۂ؟ از خود چمن تعمیر کن   شبنمی؟ خورشید را تسخیر کن

---

[1] اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً ۝
کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو خدا نے تمھارے قابو میں کر دیا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں۔ (سورۂ لقمان ۳۱ : ۲۰)

اس معنی میں کہ حیاتِ ملیّہ کی توسیع کا دار و مدار نظامِ عالم کی قوّتوں کی تسخیر پر ہے

★ اے میرے ہمدم! تو نے اَن دیکھے خدا سے بندگی اور محبت کا عہد و پیمان کیا ہے اور سیلاب کی طرح ساحل کی قید و بند سے آزادی حاصل کر لی ہے[1]

★ لہٰذا اس گلزار کی خاک سے پودے کی طرح اُٹھ کھڑا ہو۔ اپنا دِل غائب (خدا) سے وابستہ کر اور حاضر سے برسرِ پیکار رہ۔ (جھگڑ، جدوجہد کر)

★ حاضر کی ہستی (موجود ہستی) غیب کی تفسیر اور تشریح کرتی ہے اور موجود (یعنی کائنات کی تسخیر) غیب کی تسخیر کے لیے دیباچہ کا کام دیتی ہے[2]

★ یہ ماسوا (یہ کائنات، انفس و آفاق) اس لیے ہے کہ تو اس کی تسخیر کرے گویا اس کا سینہ تیرے تیر کا نشانہ بننے کے لیے ہے اور بس!

★ خدا کے لفظ "کُن" سے یہ کائنات (ماسوا اللہ) وجود میں آئی ہے۔ یہ اس لیے آشکارا ہوئی ہے تاکہ تو (تو اپنے تیر کے پیکان کو تیز سے تیز تر کر سکے اور) تیرا تیر ہرن میں بھی سوراخ کر سکے[3]

★ ڈور میں بہت زیادہ گرہیں ہونی چاہئیں تاکہ ان کے کھولنے میں مزہ آئے۔

★ تو اگر غنچہ ہے تو اپنی ذات سے گلشن پیدا کر اور اگر تو شبنم ہے تو خورشید کو اپنے قابو میں لا۔

---

[1] خدا کی محبت نے تجھے سیلِ بے پناہ بنا دیا ہے۔

[2] حاضر کی تسخیر سے تجھ پر غیب کی تسخیر کے دروازے کھل جائیں گے۔

[3] یعنی کائنات کو مسخر کر سکے۔

از تو می آید اگر کارِ شگرف
از دمِ گرمے گداز ایں شیر برف

ہر کہ محسوسات را تسخیر کرد
عالمے از ذرّہ تعمیر کرد

آنکہ تیرش قدسیاں را سینہ خست
اوّل آدم را سرِ فتراک بست

عقدۂ محسوس را اوّل کشود
ہمّت از تسخیرِ موجود آزمود

کوہ و صحرا دشت و دریا بحر و بر
تختۂ تعلیمِ اربابِ نظر

اے کہ از تاثیرِ افیوں خفتۂ
عالمِ اسباب را دوں گفتۂ

خیز و واکن دیدۂ مخمور را
دوں مخواں ایں عالمِ مجبور را

غایتش توسیعِ ذاتِ مسلم است
امتحانِ ممکناتِ مسلم است

می زند شمشیرِ دوراں بر تنت
تا بہ بینی ہست خوں اندر تنت

سینہ را از سنگ زورے ریش کن
امتحانِ استخوانِ خویش کن

حق جہاں را قسمتِ نیکاں شمرد
جلوہ اش با دیدۂ مومن سپرد

ا؎ اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ۝

بیشک یہ زمین میرے نیک بندوں کی وراثت ہے۔

★ اگر تیرے ہاتھوں سے یہ انوکھا اور نادر کام انجام پا سکتا ہے تو ضرور انجام دے اور سانس کی گرمی سے اس برف کے شیر کو پگھلا کر رکھ دے۔ (کائنات کی تسخیر کر۔)

★ جو بھی اس عالمِ محسوسات کی (مادی دُنیا کی) تسخیر کرتا ہے، گویا وہ ذرّے سے ایک نئے عالم اور ایک نئی دنیا کی تعمیر کرتا ہے۔

★ وہ (ہستی) جسکے عشق کے تیر نے فرشتوں کے سینوں کو گھائل کیا۔ اس نے پہلے آدم کو اپنا صید بنا کر اپنے فتراک سے باندھا۔ (اور پھر انفس و آفاق کی تسخیر کی آزمائش میں اسے ڈالا۔)

★ لہٰذا آدم نے پہلے عالمِ محسوس (مادی دنیا) کے اسرار کو سمجھنے کی کوشش کی اور موجودات یعنی آب و گل کی دنیا کی تسخیر کے سلسلے میں اپنی صلاحیتوں کو آزمانے لگا۔

★ لہٰذا یہ آب و گل کی دنیا اور اس کے پہاڑ، دشت و صحرا، اس کے دریا اور بحر و بر یہ تمام اہلِ علم و فن (سائنس اور ٹکنالوجی کے ماہرین) اور اربابِ نظر کے لیے تختۂ مشق ہیں۔

★ لیکن اب تیرا یہ عالم ہے کہ تو غلط نظریات کی افیون (مثلاً ترکِ دنیا اور فرارِ حیات) کھا کر خوابِ غفلت کا شکار ہو گیا ہے اور اس اسباب و علل کی دنیا کو مایا جال تصور کرنے لگا ہے۔

★ اُٹھ اور اپنی بدمست آنکھوں کو وا کر اور اس کائنات کو جو فطری قوانین کی پابند ہے بیکار اور غیر حقیقی تصور نہ کر۔

★ اس کی پیدائش کا مقصد "ذاتِ مسلم" کی تعلیم و تربیت ہے (اس کی خودی کی نشو و استحکام ہے۔) اور اس کی پوشیدہ صلاحیتوں کی آزمائش ہے۔

★ زمانہ (مصائب اور شدائد اور) آزمائشوں کی تلوار کی ضرب تیرے بدن پر لگاتا ہے تاکہ تیرے بدن میں لہو ہے یا نہیں۔ (برداشت کی صلاحیت اور صلابت ہے یا نہیں)

★ اپنے سینے کو ورزش کے پتھر سے لہولہان کر اور اپنے استخوان (یعنی اپنی طاقت و توانائی) کا امتحان لے۔

★ خدائے تعالیٰ نے اس جہان کو جوانمردوں (نیک انسانوں) کا مقسوم کہا ہے اور اس کے جلووں (کائنات کے اسرار) کو مومن کی نگاہوں کے سپرد کیا ہے۔[1]

---

[1] عالم ہے فقط مومنِ جانباز کی میراث　　مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں ہے

کارواں را رہگذار است ایں جہاں   نقدِ مومن را عیار است ایں جہاں

گیر او را تا نہ او گیرد ترا

ہمچو مے اندر سبو گیرد ترا

دُلدُلِ اندیشہ ات طوطی پرست   آنکہ گامش آسماں پہنا وراست

احتیاجِ زندگی میر اندش   بر زمیں گردوں سپر گرداندش

تا ز تسخیرِ قوائے ایں نظام   ذو فنونیہائے تو گردد تمام

نائبِ حق در جہاں آدم شود   بر عناصر حکمِ او محکم شود[1]

تنگی ات پہنا پذیرد در جہاں   کارِ تو انداِم گیرد در جہاں

خویش را بر پشت بادا سوار کن   یعنی ایں جمازہ را مہار کن[2]

---

[1] اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۝ کیا تم نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام اشیاء کو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں تمہارا خادم بنا دیا ہے۔

[2] وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ۝ (یٰسٓ: ۴۱)

اور ایک نشانی ان کے لیے یہ ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا اور ان کے لیے ویسی ہی اور چیزیں پیدا کیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں۔

★ یہ دنیا کاروانوں کے لیے ایک راستہ ہے جس پر سے انھیں گزر کر منزلِ مقصود کو پہنچنا ہے۔ اور مومن کے اعمال اور کارگزاریوں کی کسوٹی ہے۔

★ لہٰذا اس پر قابو حاصل کر تاکہ وہ تجھ پر قابو حاصل نہ کرے اور شراب کی طرح تجھے اپنے سبو میں نہ ڈال لے۔ (لہٰذا النفس و آفاق کی تفہیم و تسخیر انسانی زندگی کا ایک نہایت ہی اہم فریضہ ہے۔)

★ تیری فکر کا دُلدُل طوطی کے پر رکھتا ہے۔ (پرندوں کی طرح تیز پرواز ہے) اور ایک جست میں آسمان کی سیر کرتا ہے۔ [1]

★ زندگی کے تقاضے (ضرورت) اسے دوڑاتے رہتے ہیں اور زمین پر رہ کر آسمان کی پرواز کراتے ہیں۔ (اگرچہ تو زمین پر ہے لیکن تیری فکر کی پرواز آسمانوں کا جائزہ لیتی ہے۔)

★ یہاں تک کہ وہ نظامِ قدرت (کائنات) کی قوتوں پر قابو حاصل کرتی ہے اور اس طرح تیرے علوم و فنون (سائنس ٹیکنالوجی و دیگر علوم) کی تکمیل ہوتی ہے۔

★ اور اس طرح آدم اس دنیا میں خدا کا نائب بن جاتا ہے اور کائنات کے عناصر پر اس کی حکمرانی قائم ہو جاتی ہے۔

★ یوں دیکھا جائے تو تیری ذات بڑی محدود ہے لیکن اس میں وسعتیں پیدا کرنے اور زندگی کے کاروبار کو آسان بنانے اور سنوارنے کے لیے عناصر پر حکمرانی ضروری ہے۔ [2]

★ لہٰذا اے ہم نفس ہوا کے دوش پر سواری اختیار کر اور اس اونٹنی کے لیے مہار تیار کر (مثلاً طیارے اور راکٹ)۔

---

[1] ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں — اَبھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

ہے کہاں تمنّا کا دوسرا قدم یارب — ہم نے دشتِ امکاں کو ایک نقشِ پا پایا

ز شرر ستارہ جویم ز ستارہ آفتابے — سرِ منزلے ندارم کہ بمیرم از قرارے

[2] تسخیرِ کائنات سے تیری زندگی وسعتوں میں بدل جائے گی۔

دست رنگیں کن ز خونِ کوہسار — جوئے آبِ گوہر از دریا برآر

صد جہاں در یک فضا پوشیدہ اند — مہرہا در ذرہ ہا پوشیدہ اند

از شعاعش دیدہ کن نادیدہ را — وانما اسرارِ نافہمیدہ را

تابِش از خورشیدِ عالم تاب گیر — برقِ طاق افروز از سیلاب گیر

ثابت و سیارۂ گردوں وطن — آں خداوندانِ اقوامِ کہن

ایں ہمہ اے خواجہ آغوشِ تواند — پیشِ خیز و حلقہ در گوشِ تواند

جستجو را محکم از تدبیر کن — انفس و آفاق را تسخیر کن

چشمِ خود بکشا در اشیا نگر — نشہ زیرِ پردۂ صہبا نگر

تا نصیب از حکمتِ اشیا برد — ناتواں باج از توانایاں خورد

صورتِ ہستی ز معنی سادہ نیست — ایں کہن ساز از نوا افتادہ نیست

برق آہنگ است ہشیارش زنند — خویش را چوں زخمہ بر تارش زنند

★ اسی طرح کوہساروں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین بنا۔ (اپنے آرام و آسائش کے سامان پیدا کر) اور سمندروں سے موتی کے خزانے نکال۔ (آب گوہر کی ندی پیدا کر۔)

★ ہر فضا میں صدہا جہان میں پوشیدہ ہیں، اسی طرح ذرّوں میں سورج چھپے ہوئے ہیں۔

★ لہٰذا ان ذرّوں کو چیر کران کی شعاعوں سے پوشیدہ چیزوں کو نمایاں کر اور قدرت کے نامعلوم اسرار اور قوانین کو واضح کر۔

★ دُنیا کو روشنی اور گرمی پہنچانے والے سورج سے اس کی تپش حاصل کر اور دریاؤں کے دھاروں سے گھروں کو روشن کرنے والی بجلی پیدا کر۔

★ اسی طرح یہ ستارے اور سیارے جو آسمانی خلاؤں میں رہتے ہیں اور قدیم قومیں جن کی پرستش کیا کرتی تھیں۔ (اور انھیں اپنا خدا تصور کرتی تھیں۔)

★ اے میرے دوست! تو ان کا آقا اور وہ تیرے خادم اور کنیز ہیں۔ وہ تیرے حلقہ بگوش غلام اور خدمت گزار ہیں۔

★ لہٰذا اپنی "فکرونظر" اپنی (سائنس) تلاش و تحقیق کو مضبوط اور استوار بنا اور انفس اور آفاق (مادی اور حیوانی دنیا) دونوں کی تسخیر کر۔

★ اپنی آنکھیں کھول اور اشیا پر نظر ڈال (یعنی سائنس اور مختلف علوم کے ذریعے کائنات کی تحقیقات کر) اور شراب کے پردے کے پیچھے نشہ کی شہزادی کا جلوہ دیکھ۔

★ جب کوئی قوم یا (فرد) اشیا کی حکمت (یعنی سائنسی اور تکنیکی معلومات) میں کمال حاصل کرلیتی ہے تو وہ ناتواں ہو کر بھی طاقتور قوموں سے خراج وصول کرتی ہے[1]۔

★ یہ دنیا اتنی سادہ نہیں ہے جتنی بظاہر نظر آتی ہے۔ اس میں معنی اور اسرار کے خزانے پوشیدہ ہیں۔ یہ ساز اگرچہ پرانا ہے لیکن وہ نغموں سے خالی نہیں ہے[2]۔

★ اس کے تاروں اور ان سے نکلنے والے نغموں میں بجلیاں ہوتی ہیں لہٰذا ہوشیار لوگ انھیں بڑی چابکدستی سے چھیڑتے اور بجاتے ہیں۔ وہ مضراب کی طرح اس کے تاروں کو چھیڑا کرتے ہیں۔

---

[1] یعنی وہ بالادستی حاصل کرلیتی ہے۔

[2] بلکہ اس سے سدا نت نئے نغمے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

تو کہ مقصودِ خطابِ انظری[1] | پس چرا این راہ چون کوران بری

قطرۂ کز خود فروزی محرم است | بادہ اندر تاک و بر گل شبنم است

چون بدریا در رود گوہر شود | جوہرش تابندہ چون اختر شود

چون صبا بر صورتِ گلہا متن | غوطہ اندر معنئِ گلزار زن

آنکہ بر اشیا کمند انداخت است | مرکب از برق و حرارت ساخت است

حرف چون طائر بہ پرواز آورد | نغمہ را بے زخمہ از ساز آورد

اے خرت لنگ از رہِ دشوارِ زیست | غافل از ہنگامۂ پیکارِ زیست

ہمرہانت پے بہ منزل بردہ اند | لیلئِ معنی ز محمل بردہ اند

تو بصحرا مثلِ قیس آوارۂ | خستۂ واماندۂ بیچارۂ

---

[1] قرآن پاک میں اکثر مقامات پر دیکھنے اور سمجھنے کا پیام ملتا ہے۔ مثلاً سورہ روم آیت ۵۰ یا سورۂ یونس آیت ۱۰۱ (سورۂ روم ۵۰) فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝

تو اے دیکھنے والے خدا کی رحمت کی نشانیوں کی طرف دیکھ کہ وہ کس طرح زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے۔ بیشک وہ مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

★ تو وہ ہے کہ تجھے اہلِ نظر (انظری: اے دیکھنے والے) کے خطاب سے نوازا گیا ہے۔ پھر تو اس راہ سے اندھوں کی طرح کیوں گزرتا ہے۔

★ جو قطرہ خود افروزی (خود کو چمکانے) کے گُر سے واقف ہے وہ (تاک) انگور کی رگوں میں شراب اور برگِ گل پر شبنم بن جاتا ہے۔

★ اور جب دریا (سمندر) کی آغوش میں جاتا ہے تو موتی بن جاتا ہے اور اس کا جوہر ستارے کی مانند چمک اٹھتا ہے۔

★ صبا کی طرح گلوں کی ظاہری شکل و صورت پر فریفتہ ہو کر نہ رہ جا اور اسی پر فخر و ناز نہ کر بلکہ گلزار کی پوشیدہ حقیقت اور معنی میں غوطہ لگا اور اس کو معلوم کرنے کی کوشش کر۔

★ جن لوگوں نے اشیا پر کمندیں ڈالی ہیں۔ (یعنی سائنسی علوم کے ذریعے ان کے حقائق معلوم کرتے ہیں) انھوں نے برق و حرارت سے مرکب (طیارے اور راکٹ وغیرہ) بنا ڈالے ہیں۔

★ انھوں نے پرندے کی طرح حرف کو پرواز بخشی اور مضراب کے بغیر ساز سے نغمے پیدا کیے۔ (ریڈیو، ٹیلیویژن اور دیگر ایجادات)[۱]

★ اے برادر تیرا گدھا زندگی کے دشوار راستوں کی وجہ سے لنگڑا ہو گیا۔ تیری زندگی خرلنگ کی طرح دشوار راہوں پر چلنے سے گریز کرتی رہی اور اس طرح (پیکرِ حیات) جد و جہد کے ہنگاموں سے غافل رہی۔

★ اس کے برعکس تیرے ہمراہیوں نے 'یارانِ تیز گام نے منزل کو جالیا اور محمل سے معنیٰ کی لیلیٰ کو نکال لے گئے'۔ (ترقی کی راہ میں منزل پر پہنچ گئے)

★ اور تو قیس کی طرح صحرا کی خاک اُڑاتا آوارہ بھٹک رہا ہے، خستہ اور نڈھال ہو چکا ہے اور بے چارگی اور بے بسی کا شکار ہے۔

---

[۱] اقبال نے غالب کے شعر کو بتصرف پیش کیا ہے۔ غالب کا شعر ہے:

نغمہ را بے زخمہ از ساز آورند حرف چوں طائر بپرواز آورند

یہ شعر اس مثنوی کا ہے جو غالب نے سرسید احمد خاں کی تصحیح کردہ "آئینِ اکبری" کی تقریظ کے طور پر لکھی تھی اور جس میں مغربی آئین اور ایجادات و اختراعات کی طرف سرسید کی توجہ مبذول کرائی تھی۔

علم اسما اعتبارِ آدم است

حکمتِ اشیا حصارِ آدم است[۱]

در معنی این کہ کمالِ حیاتِ ملیہ این است کہ ملت مثل فرد احساسِ خودی پیدا کند و تولید و تکمیل این احساس از ضبطِ روایاتِ ملیہ ممکن گردد

کودکے را دیدی اے بالغ نظر — کو بود از معنئ خود بے خبر
ناشناسِ دور و نزدیک آنچناں — ماہ را خواہد کہ بر گیرد عناں
از ہمہ بیگانہ آں مامک پرست — گریہ مست و شیر مست و خواب مست
زیر و بم را گوشِ او درگیر نیست — نغمہ اش جز شورشِ زنجیر نیست
سادہ و دوشیزہ افکارش ہنوز — چوں گہر پاکیزہ افکارش ہنوز
جستجو سرمایۂ پندارِ او — از چرا چوں کے کجا گفتارِ او

---

۱ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ ★★

★ یہ نہ بھول کہ "علم اسماء" (علم و دانش اور فکر و نظر) ہی سے انسان انسان ہے۔ اس کی عزت و حرمت ہے اور اشیاء کا علم اور حکمت یعنی علوم و فنون اور سائنسی ایجادات اور ان کا جائز استعمال ہی انسانی زندگی کے لیے شہرِ پناہ کا کام دیتا ہے۔

اس معنی میں کہ حیاتِ ملّیہ کا کمال یہ ہے کہ فرد کی طرح ملّت بھی احساسِ خودی کی حامل ہو جائے اور احساس کی تولید و تکمیل کا انحصار ملی روایات کے ضبط و تحفظ پر ہے

★ اے باشعور اور بالغ نظر انسان! تو نے ننھے بچے کو دیکھا ہو گا اور اس کی حیات کا مطالعہ کیا ہو گا کہ کس طرح وہ اپنی ذات اور اپنی حقیقت سے بے خبر رہتا ہے۔

★ وہ دور و نزدیک کے فاصلوں سے اس قدر بے خبر رہتا ہے کہ چاند (کے حصول) کے لیے ضد کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اسے (اس کی لگام) اپنے ہاتھ میں پکڑ لے۔

★ وہ ابتدا میں اپنی ماں کے سوا سب سے بیگانہ ہوتا ہے۔ اسی کو پہچانتا ہے اور گویا اسی کا پرستار ہوتا ہے اور رونا، دودھ پینا اور سونا انھی باتوں میں شب و روز مست رہتا ہے۔

★ اس کے کان نغموں کے زیر و بم کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ اس کے لیے زنجیر کا شور بھی نغمہ بن جاتا ہے۔ جس کو سننے میں وہ محو ہو جاتا ہے۔

★ اس کے خیالات نہایت سادہ اور معصوم ہوتے ہیں اور اس کی باتیں بھی موتی کی طرح پاک اور صاف ہوتی ہیں۔

★ حیرت اور جستجو ہی اس کے طفلانہ شعور کی پونجی ہے وہ ہر شے کو حیرت اور تجسس کی نظر سے دیکھتا ہے اور ان کے بارے میں کیوں، کیسے، کب، کہاں، سوالات کرتا ہے۔

★★ اور اس نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھائے پھر ان کو فرشتوں کے سامنے کیا اور فرمایا کہ اگر سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ۔ انھوں نے کہا تو پاک ہے۔ جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ بےشک تو دانا اور حکمت والا ہے۔ (تب خدا نے آدم کو حکم دیا کہ آدم! تم ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ جب انھوں نے ان کے نام بتائے .... الخ)

نقش گیر این و آں اندیشہ اش | غیر جوئی غیر بینی پیشہ اش
چشمش از دنبال اگر گیرد کسے | جان او آشفتہ می گردد بسے
فکرِ خامش در ہوائے روزگار | پر کشا مانندِ بازِ نو شکار
در پئے نخچیر ہا بگذار دش | باز سوئے خویشتن می آردش
تا ز آتش گیریٔ افکارِ او | گل فشاند زرچک★ پندارِ او
چشم گیر ایش فتد بر خویشتن | دستکے بر سینہ می گوید کہ "من"
یادِ او با خود شناسایش کند | حفظِ ربطِ دوش و فردایش کند
سفتہ ایامش دریں تارِ زراند | ہمچو گوہر از پئے یک دیگر اند
گرچہ ہر دم کاہد افزاید گلش | "من ہمانستم کہ بودم" در دلش

این "منِ" نوزادہ آغازِ حیات

نغمۂ بیداریٔ سازِ حیات

ملّتِ نوزادہ مثلِ طفلک است | طفلکے کو در کنارِ مامک است

★ زرچک : ایک قسم کی آتش بازی جسے پھلجھڑی کہتے ہیں۔

★ اس کا سادہ اور معصوم ذہن ان تمام باتوں کے اثرات اور نقش قبول کرتا رہتا ہے۔
(اپنے سوا) غیر کو دیکھنا اور غیر کو سمجھنا (گرد و پیش کو سمجھنا) ہی اس کا مشغلہ ہوتا ہے۔

★ اگر کوئی پیچھے سے آکر اس کی آنکھیں موند لیتا ہے تو وہ گھبرا اٹھتا ہے اور اس کی جان پریشان ہو جاتی ہے۔

★ اس کا ناپختہ تخیل (فکر و خیال) اس دنیا کی فضا میں ایک نو آموز باز کی طرح (اِدھر اُدھر) اُڑتا پھرتا ہے۔

★ کبھی وہ اپنے شاہینِ خیال کو شکار کے تعاقب میں آسمان میں اُڑاتا پھرتا ہے اور پھر اسے اپنی جانب لے آتا ہے۔ (وہ اپنے باز کو شکار کے پیچھے چھوڑتا ہے اور پھر اسے واپس لے آتا ہے۔)

★ اس طرح فکر و خیال کی آنچ لے کر اس کے ذہن کی پھلجھڑی، رنگا رنگ پھول برساتی رہتی ہے۔
(اس طرح اس کا شعور پھلجھڑی کے مانند خوش رنگ تصورات میں کھویا رہتا ہے۔)

★ اور اس طرح گرد و پیش کا جائزہ لینے والی آنکھ شدہ شدہ اس کی اپنی ذات پر نظر ڈالتی ہے اور وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر دستک دیتا ہے اور کہہ اٹھتا ہے "من" یعنی میں ہوں۔

★ اس کا شعور (یا اس کی یادداشت اور حافظہ) اسے اپنی ذات سے آشنا کرتا ہے اور اس کے دوش و فردا (شب و روز) اور تجربات میں ربط و تسلسل قائم کرتا ہے۔

★ اس کے حافظہ کے زریں تار میں اس کے شب و روز (اور ان کے تجربات) اس طرح پیوست ہوتے ہیں جس طرح ہار میں موتی یکے بعد دیگرے پروئے ہوئے ہوتے ہیں۔

★ اگرچہ اس کا جسم خاکی ہمیشہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے لیکن اس کے دل میں کوئی ہمیشہ یہی کہتا رہتا ہے کہ میں وہی ہوں کہ جو تھا۔ (اس کی اندرونی شخصیت (اس کی خودی) قائم و دائم رہتی ہے۔)

★ اس کے دل میں پیدا ہونے والا "من" کا یہ تصور (خود کو "میں" کہنے کا تصور کہ میں ہوں) گویا آغازِ حیات ہے اور اس کے سازِ حیات کے لیے بیداری کا نغمہ ہے۔ (گویا اس کے سازِ حیات کے تار بجنے لگے اور ان سے نغمے نکلنے لگے ہیں۔)

★ اسی طرح ایک "نوزائیدہ ملت" بھی اس طفل کے مانند ہوتی ہے جو اپنی ماں کی گود میں پرورش پاتا ہے۔

طفلکے از خویشتن نا آگہے — گوہرِ آلودۂ خاکِ رہے

بستہ با امروز او فرداش نیست — حلقہ ہائے روز و شب در پاش نیست

چشمِ ہستی را مثالِ مردم است — غیر را بینندہ و از خود گم است

صد گرہ از رشتۂ خود وا کند — تا سرِ تارِ خودی پیدا کند

گرم چوں افتد بکارِ روزگار — ایں شعورِ تازہ گردد پایدار

نقشہا بردارد و اندازد اُو — سرگزشتِ خویش را می سازد اُو

فرد چوں پیوندِ ایامش گسیخت — شانۂ ادراکِ اُو دندانہ ریخت

قوم روشن از سوادِ سرگزشت — خودشناس آمد ز یادِ سرگزشت[1]

سرگزشتِ او گر از یادش رود — باز اندر نیستی گُم می شود

نسخۂ بودِ ترا اے ہوشمند — ربطِ ایام آمدہ شیرازہ بند

---

[1] سورۂ والعصر اور آل عمران آیت ۴۰ میں زمانے کی تاریخ کا مطالعہ کرتے اور ان سے قوموں کے عروج و زوال کا پتہ لگانے کی تلقین ملتی ہے۔

سورۂ والعصر کا ترجمہ ہے: زمانے کی قسم! انسان درحقیقت بڑے خسارے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔

★ اور جو اپنی ذات سے بے خبر ہوتا ہے اور اس گوہر کے مانند ہوتا ہے جو راستے کی خاک میں اٹا پڑا ہو۔

★ اس کے شعور (یا یادداشت) میں پختگی پیدا نہیں ہوئی لہٰذا اس کے امروز فردا میں کوئی ربط نہیں اور وہ شب و روز کے سلسلے کا پابند نہیں۔ (وہ نہیں جانتا کہ دن کیا ہے اور رات کسے کہتے ہیں۔)

★ چشمِ ہستی (دُنیا) کے لیے اس کی حالت (اور اس کی مثال) اس پُتلی کے مانند ہے جو دوسروں کو دیکھتی ہے اور خود سے بے خبر ہوتی ہے۔ (خود کو نہیں دیکھ پاتی۔)

★ وہ اپنی ذات کے دھاگے کی صدہا گرہیں کھولتا ہے تب کہیں جاکر اسے 'تارِ خودی' کا سرا ملتا ہے۔

★ اور پھر جب وہ زندگی کے معاملات میں سرگرمی سے حصّہ لینے لگتا ہے تو اس کا ناپختہ شعور پختہ اور پائدار بننے لگتا ہے۔

★ وہ زندگی کے اثرات و نقوش کو کبھی قبول کرتا ہے اور کبھی رد کرتا ہے اور اس طرح اپنی سرگزشت اور اپنی زندگی کی تعمیر کرتا ہے۔

★ لیکن جب فرد شب و روز (اور ان کے تجربات یعنی یادداشت) سے اپنا تعلق توڑ لیتا ہے تو اس کے ذہن و ادراک (عقل و شعور) کے شانے (کنگھی) کے دندانے گر پڑتے ہیں[1]۔

★ قوم بھی اپنی گزشتہ سرگزشت (اپنے ماضی کی تاریخ اور اپنی گزشتہ تہذیب) کے سہارے روشنی حاصل کرتی ہے[2]۔

★ اگر وہ اپنی گزشتہ تاریخ (سرگزشت) اور تہذیبی روایات کو فراموش کر دے تو وہ نیستی اور گمنامی کا شکار ہو جائے گی۔

★ لہٰذا اے ہوشمند انسان! ربطِ ایام ہی تیری ہستی اور پائداری کا نسخہ ہے۔ یہی ماضی، حال اور مستقبل کا ربط و تعلق کتابِ ہستی کا شیرازہ بند ہے۔

1۔ اس کا ذہنی ارتقا رک جاتا ہے۔

2۔ وہ اپنی ماضی کی تاریخ اور تہذیبی روایات کو یاد کر کے (اور ان پر چل کر) خود شناس اور باوقار بنتی ہے۔

ربطِ ایّام است ما را پیرہن
سوزنش حفظِ روایاتِ کہن

چیست تاریخ اے ز خود بیگانہٴ
داستانے قصّہٴ افسانہٴ

این ترا از خویشتن آگہ کند
آشنائے کار و مردِ رہ کند

روح را سرمایہٴ تاب است این
جسمِ ملّت را چو اعصاب است این

ہمچو خنجر بر فسانت می زند
باز بر روئے جہانت می زند

وہ چہ ساز دل جان نگار دلپذیر
نغمہ ہائے رفتہ در تارش اسیر

شعلہٴ افسردہ در سوزش نگر
دوش در آغوشِ امروزش نگر

شمعِ او بختِ امم را کوکب است
روشن از وے امشب و ہم دیشب است

چشمِ پُرکارے کہ بیند رفتہ را
پیشِ تو باز آفریند رفتہ را

بادہٴ صد سالہ در مینائے اُو
مستیٔ پارینہ در صہبائے اُو

صید گیرے کو بدام اندر کشید
طائرے کز بوستانِ ما پرید

ضبط کن تاریخ را پایندہ شو
از نفسہائے رمیدہ زندہ شو

★ یہی دنوں کا رابطہ ہمارا پیراہن ہے۔ ہماری گزشتہ تہذیب اور ماضی کی روایات کے تحفظ سے اس پیراہن کی پائداری ہے۔ (ماضی کی روایات کی حفاظت ہمارے لیے سوزن (سوئی) کا کام دیتی ہے جو اسے سیتی ہے۔)

★ اے خود ناشناس (اور خود سے بیگانے انسان!) کیا تجھے معلوم ہے کہ تاریخ کیا شے ہے؟ کیا یہ کوئی کہانی، داستان یا کوئی افسانہ ہے؟

★ تاریخ دراصل تجھے اپنی ذات اور اپنی حقیقت سے آشنا کرتی ہے وہ تجھے کار آشنا اور مرد رہ (منزل شناس) بناتی ہے۔ (وہ تجھے تیرے عزائم اور نصب العین سے آشنا کرتی ہے۔)

★ وہ روح کی تب و تاب (رونق) اور حرکت و عمل کا سرچشمہ ہے، اور ملت کے جسم کے لیے اعصاب کا کام دیتی ہے۔

★ وہ تجھے تیغ و خنجر کی طرح سان پر چڑھاتی ہے اور پھر تجھے دنیا کے مقابل (میدانِ جہد و عمل میں) پیش کرتی ہے۔

★ وہ نہایت ہی دلکش اور جاں نواز (یا جان کو سنوارنے والا) ساز ہے جس کے تاروں میں گزشتہ زمانے کے نغمے (ماضی کی روایات) بھی پوشیدہ ہوتے ہیں۔

★ اس کے سوز میں کتنے ہی بجھے ہوئے شعلوں کی گرمی ہے۔ اس کے "امروز" کی آغوش میں "دوش" (کل) جھانک رہا ہے۔ (اس کے حال میں ماضی پیوست ہے۔)

★ تاریخ کی شمع قوموں کی تقدیر کا خوش اقبال ستارہ ہے، اور اس کی وجہ سے حال اور ماضی (آج کی شب اور کل کی شب) دونوں روشن ہیں۔

★ وہ ایسی پُرکار (ہوشیار) آنکھ ہے جو ماضی کو صاف اور واضح طور پر دیکھتی ہے اور اسے تیرے سامنے پھر سے پیدا کر دیتی ہے۔

★ اس کی صراحی میں سو سال کی پرانی شراب ہوتی ہے اور اس شراب میں (ماضی کی) قدیم زمانے کی سرمستیاں پوشیدہ ہوتی ہیں۔

★ وہ ایسی صیاد ہے جس نے اپنے دام میں ایسے پرندے کو پکڑ رکھا ہے جو ہمارے گلشن سے اُڑ چکا ہے۔

★ اے ہم نفس! تاریخ کو (اپنے روایاتِ کہن، اپنی قدیم تہذیب کے حالات کو) محفوظ رکھ تاکہ تجھے پائندگی حاصل ہو سکے۔ اپنی ملت کے گزشتہ انفاس سے اپنے آپ کو زندہ رکھ۔

دوشِ را بہ پیوند با امروز کن | زندگی را مرغِ دست آموز کن
رشتۂ ایام را آور بدست | ورنہ گردی روزکور و شب پرست
سر زند از ماضیِ تو حالِ تو | خیزد از حالِ تو استقبالِ تو
مشکن ار خواہی حیاتِ لازوال | رشتۂ ماضی و استقبال و حال

موجِ ادراکِ تسلسل زندگی است
مے کشاں را شورِ قلقل زندگی است

در معنیٔ ایں کہ بقائے نوع از امومت است
و حفظ و احترام امومت اسلام است

نغمہ خیز از زخمۂ زن سازِ مرد | از نیازِ او دو بالا نازِ مرد
پوششِ عریانیٔ مردان زن است | حسن دلجو عشق را پیراہن است[1]

---

[1] (سورۃ البقرہ: ۱۸۷) ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ ہ
وہ پوشاک ہیں تمہاری اور تم پوشاک ہو ان کی۔

★ کل کو آج سے (یعنی ماضی کو حال سے) پیوستہ رکھ اور اس طرح زندگی کو سدھائے ہوئے پرندے کی طرح اپنے قابو میں رکھ۔ (زندگی تیرے قبضے میں ایک سدھائے ہوئے پرندے کی طرح رہے گی)

★ سلسلۂ ایام کی ڈور اپنے ہاتھ میں رکھ۔ (زمانی تسلسل کے رشتے سے تعلق نہ توڑ) ورنہ تو دن میں بھی کور چشم رہے گا اور رات میں بھی چمگادڑ کی طرح شب کا پرستار رہے گا۔

★ ربطِ ایام سے تیرے ماضی سے تیرا حال نمودار ہوگا۔ اسی طرح حال سے مستقبل جنم لے گا۔ (زمانی تسلسل ہمیشہ قائم رہتا ہے اور ماضی، حال اور مستقبل ایک دوسرے میں پیوست ہوتے ہیں۔)

★ اس لیے اگر تو دائمی حیات چاہتا ہے تو اپنے ماضی سے تعلق نہ توڑ اور ماضی کے رشتے کو حال اور مستقبل سے منقطع نہ کر۔

★ ادراک کے مسلسل بہتے ہوئے دھارے کا نام زندگی ہے۔ میکشوں کی نظر میں شورِ قلقل کا نام ہی زندگی ہے۔ [1]

اس معنی میں کہ امومت (مامتا) سے نوعِ انسانی کی بقا ہے اور اسلام امومت کا تحفظ اور بقا ہے

★ مرد ساز ہے اور عورت مضراب۔ لہٰذا مضراب زن سے مرد کے سازِ حیات کے نغمے ہیں۔ اس کی نیازمندیوں سے مرد کا ناز اور وقار دوبالا ہوتا ہے۔

★ مرد کی عریانی کا پردہ عورت ہے۔ اس کا دلکش اور دلربا حسن عشق کا پیراہن بنتا ہے۔

---

[1] گویا جب تک شورِ قلقل جاری ہے تب تک شرابِ حیات کے جام کی گردش جاری ہے۔

عشقِ حق پروردۂ آغوشِ او — ایں نوا از زخمۂ خاموشِ او

آں کہ نازد بر وجودش کائنات — ذکرِ او فرمود با طیب و صلوٰۃ

مُسلمے کو را پرستارے شمرد — بہرۂ از حکمتِ قرآں نبرد

نیک اگر بینی امومت رحمت است — زانکہ او را با نبوّت نسبت است

شفقتِ او شفقتِ پیغمبر است — سیرتِ اقوام را صورتگر است

از امومت پختہ تر تعمیرِ ما — در خطِ سیمائے او تقدیرِ ما

ہست اگر فرہنگِ تو معنی رسے — حرفِ اُمّت نکتہ ہا دارد بسے

گفت آں مقصودِ حرفِ "کُن فکاں"[1] — زیرِ پائے اُمّہات آمد جناں

ملّت از تکریمِ ارحام است و بس — ورنہ کارِ زندگی خام است و بس

از امومت گرم رفتارِ حیات — از امومت کشفِ اسرارِ حیات

---

[1] (سورۂ یٰسین: ۸۲) اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۝
اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔

★ عشقِ خداوندی بھی اس کی آغوش میں پروان چڑھتا ہے۔ یہ وہ نغمہ ہے جو اس کی خاموش مضراب سے پیدا ہوتا ہے۔

★ حضور اکرمؐ نے جن کے وجود پر کائنات ناز کرتی ہے۔ اپنی پسندیدہ باتوں میں نماز اور خوشبو کے ساتھ عورت کا بھی ذکر کیا ہے۔ حضور کا ارشاد ہے کہ مجھے تین باتیں مرغوب ہیں۔ نماز اور خوشبو اور عورت۔[1]

★ وہ مسلمان جو عورت کو محض کنیز یا پرستار تصور کرتا ہے وہ قرآن حکیم کی حکمت کو سمجھنے سے قاصر رہا ہے۔

★ اگر تو دیکھے گا تو پتہ چلے گا کہ امومت دراصل رحمت ہے۔ کیونکہ اسے نبوّت سے گہری نسبت ہے۔

★ اس کی الفت اور شفقت بھی پیغمبر کی شفقت کے مانند ہوتی ہے۔ پیغمبروں کی طرح قوموں کی سیرت کے ڈھالنے میں اس کا بڑا ہاتھ ہے۔

★ امومت ہی سے ہماری زندگی کی صحیح تعمیر ہوتی ہے۔ اس کی پیشانی کی لکیروں میں ہماری تقدیریں پوشیدہ ہوتی ہیں۔

★ اگر تیری عقل نکتہ رس اور باریک بیں ہے تو تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ لفظ اُمّت بڑا غور طلب ہے۔ اس میں بہت سارے نکتے پوشیدہ ہیں۔ (اس کا مادہ اُمّ ہے یعنی ماں)

★ سرورِ کائنات محمد صلعم نے جن کے لیے کائنات کی تخلیق ہوئی ہے۔ ارشاد فرمایا ہے کہ ماں کے قدموں کے نیچے جنّت ہوتی ہے۔[2]

★ نسائیت (اور عصمت و عفت) کی حرمت پر ملّت کا دار و مدار ہوتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو دنیا کے تمام کاروبار فضول اور بیکار ہیں۔ (عورتوں کی عزّت ہی سے قوم ہے اگر یہ نہ ہو تو قوم غارت ہو جاتی ہے)

★ امومت ہی سے کاروانِ حیات کی رفتار تیز تر ہوتی ہے۔ امومت ہی سے حیات کے اسرار منکشف ہوتے رہتے ہیں۔

---

[1] وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ — اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں

[2] اَلْجَنَّۃُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّھَاتِ ۔ ماؤں کے قدموں کے نیچے جنّت ہے۔

از امومت پیچ و تابِ جوئے ما | موج و گرداب و حبابِ جوئے ما
آں دخِ رستاق زادے جاہلے | پست بالائے سطبرے بدگلے
ناتراشے، پرورش نادادۂ | کم نگاہے، کم زبانے، سادۂ
دل ز آلامِ امومت کردہ خوں | گردِ چشمش حلقہ ہائے نیلگوں
ملت ار گیرد ز آغوشش بدست | یک مسلمانِ غیورِ حق پرست
ہستیٔ ما محکم از آلامِ اوست | صبحِ ما عالم فروز از شامِ اوست
واں تہی آغوشِ نازک پیکرے | خانہ پروردِ نگاہش محشرے
فکرِ او از تابِ مغرب روشن است | ظاہرش زن، باطن او نازن است
بندہائے ملتِ بیضا گسیخت | تاز چشمش عشوہ ہا حل کردہ ریخت
شوخ چشم و فتنہ زا آزادیش | از حیا نا آشنا آزادیش
علمِ او بارِ امومت برنتافت | بر سرِ شامش یکے اختر نتافت [1]

---

[1] کیا یہی ہے معاشرت کا کمال | مرد بیکار و زن تہی آغوش
تہذیبِ فرنگی ہے اگر مرگِ امومت | ہے حضرتِ انساں کے لیے اس کا ثمر موت

★ امومت ہی سے ہمارا "جوئے حیات" کی روانی ہے اور اس میں موجیں، گرداب اور حباب ہیں۔

★ وہ کسان کی گنوار اور جاہل لڑکی جو پست قد، فربہ اور بدشکل ہے۔

★ وہ کندۂ ناتراش اور غیر تربیت یافتہ ہے۔ الھڑ، ناسمجھ، سادہ اور کم سخن ہے۔

★ لیکن اس نے زوجیت (اور امومت) کے فرائض انجام دینے کے لیے رنج والم سہے اور دل کا خون کیا جس کے نتیجے میں اس کی آنکھوں کے گرد نیلگوں حلقے پڑ گئے ہیں۔

★ ایسی دیہاتی لڑکی کی آغوش سے اگر ایک غیرت مند اور حق پرست مسلمان ملت کو حاصل ہوتا ہے۔

★ تو اس صورت میں ہماری قومی ہستی، اس کے آلام ومصائب (کے برداشت کرنے) سے زیادہ مضبوط اور توانا ہو جاتی ہے اور اس کی شامِ الم سے ہماری صبحِ عالم کو زیادہ روشن کرتی ہے۔

★ اس کے برعکس تہذیبِ نو کی ایک نازک اندام اور تہی آغوش دوشیزہ ہے۔ جس کی نگاہوں میں حشر سامانیاں ہیں۔ (جس کی نگاہیں حشر کی پرورش کرتی ہیں۔)

★ اس کی فکر مغربی تہذیب سے روشن ہے۔ وہ ظاہر میں زن (عورت) ہے لیکن باطن میں "نازن" ہے یعنی نسائیت سے محروم ہے۔

★ اس نے ملتِ بیضا کی تمام پابندیوں کو توڑ ڈالا ہے۔ اس کی نگاہوں سے ناز اور اس کی اداؤں سے عشوے اور انداز ے (ٹپک رہے ہیں) نمایاں ہیں۔

★ اس کی آزادی نے اسے شوخ چشم (گستاخ اور بے ادب) اور فتنہ پرور بنا دیا ہے۔ اس کی آزادی نے اسے شرم وحیا سے بیگانہ کر دیا ہے۔

★ اس کی تعلیم نے امومت کے بوجھ (مادری ذمّہ داری) کو قبول نہیں کیا[1]۔ اس کی زندگی کی شام (جوانی) میں ایک ستارہ بھی نہیں چمکا۔

---

[1] جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن ۔۔۔ کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسۂ زن ۔۔۔ ہے عشق ومحبت کے لیے علم وہنر موت

ایں گُل از بُستانِ ما نارستہ بہ
داغش از دامانِ ملّت شستہ بہ

لَآ اِلٰہ گویاں چو انجم بے شمار
بستہ چشم اندر ظلامِ روزگار

پا نبردہ از عدم بیروں ہنوز
از سوادِ کیف و کم بیروں ہنوز

مضمر اندر ظلمتِ موجودِ ما
آں تجلّی ہائے نا مشہودِ ما

شبنمے بر برگِ گل نہ نشستہ ئے
غنچہ ہائے از صبا ناخستہ ئے

بر دمد ایں لالہ زارِ ممکنات
از خیابانِ ریاضِ امہات

قوم را سرمایۂ اے صاحب نظر
نیست از نقد و قماش و سیم و زر

مالِ او فرزند ہائے تندرست
تر دماغ و سخت کوش و چاق و چست

حافظِ رمزِ اخوّت مادراں
قوتِ قرآن و ملّت مادراں

★ ہمارے لیے یہی بہتر ہے کہ ایسا پھول ہمارے گلشن میں نمودار نہ ہو اور ہماری ملّت کا دامن اس کے وجود سے داغدار نہ ہو۔ (ملّت کے دامن سے اس کے داغ کا دھل جانا ہی بہتر ہے)

★ ستاروں کی مانند بے شمار لاالٰہ کہنے والے (اسلامی نسل کے بچّے) زمانے کی کوکھ اور مستقبل کی تاریک گود میں آنکھیں موندے پڑے ہیں۔ (مسلمانوں کی آئندہ نسل کی طرف اشارہ جو ابھی پیدا نہیں ہوئی۔)

★ انھوں نے ابھی عدم کی حدوں سے باہر قدم نہیں رکھا۔ (پیدا نہیں ہوئے) اور دنیائے آب و گل (کیف و کم: کیسا اور کتنا۔ دنیا جو کیفیت اور کمیت (مقدار) کی حامل ہو) کی سرحد میں داخل نہیں ہوئے۔

★ گویا وہ ایسی تجلیاں اور نور پارے ہیں جو ابھی نگاہوں سے اوجھل (ناشہود) ہیں اور ہماری موجود دنیا کے پردے (تاریک مستقبل) میں پوشیدہ ہیں۔

★ یہ وہ ناشگفتہ پھول ہیں جن کی پنکھڑیوں پر شبنم نمودار نہیں ہوئی۔ یہ وہ غنچے ہیں جنھوں نے ابھی نسیم صبح کے تھپیڑے نہیں کھائے۔ (اور غنچے سے گل نہیں بنے۔)

★ الغرض ممکنات (پیدا ہونے والی مخلوق) کا یہ لالہ زار پیدا ہو گا اور امہات (ماؤں) کے باغ (کی کیاریوں) میں نمودار ہو گا۔

★ اے میرے صاحبِ نظر ہمدم! کسی بھی قوم کے سرمایہ کا انحصار سیم و زر، دولت اور ساز و سامان پر نہیں ہوتا۔

★ قوم و ملّت کا صحیح سرمایہ صحت مند فرزندانِ قوم ہوتے ہیں۔ ذہین جفاکش اور چست و چالاک بچّے ہوتے ہیں۔

★ مائیں (ہی) اخوّت کے راز کی محافظ ہوتی ہیں۔ مائیں قرآن اور ملّت کی اصل قوّت ہیں۔

در معنیٰ ایں کہ سیّدۃ النساءِ فاطمۃ الزہرا اسوۂ کاملہ ایست برائے نساءِ اسلام

مریمؓ از یک نسبتِ عیسیٰؑ عزیز
از سہ نسبت حضرتِ زہراؓ عزیز

نورِ چشمِ رحمۃٌ للعالمین
آں امامِ اولین و آخرین

آں کہ جاں در پیکرِ گیتی دمید
روزگارِ تازہ آئین آفرید

بانوے آں تاجدارِ ھَلْ اَتٰی[1]
مرتضیٰ مشکل کُشا شیرِ خُدا

پادشاہ و کلبۂ ایوانِ او
یک حسام و یک زرہ سامانِ او

مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق
مادرِ آں کارواں سالارِ عشق

آں یکے شمعِ شبستانِ حرم
حافظِ جمعیّتِ خیر الاُمم[2]

---

[1] (سورۃ الدہر: ۱) هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ۝
کیا انسان پر لامتناہی زمانے کا ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے جب وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھا۔

[2] حضرت امام حسنؓ کے متعلق حضور اکرمؐ نے پیشن گوئی کی تھی کہ:
" میرا یہ فرزند اُمت کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرا دے گا۔"

اس معنی میں کہ سیّدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا نسوانیت اسلام (مسلمان عورتوں) کے لیے اسوۂ کامل (مکمّل نمونہ) ہیں

★ حضرت مریمؑ ایک نسبت یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی نسبت سے عزیز ہیں۔ اس کے مقابلے میں حضرت فاطمہؓ تین نسبتوں کی وجہ سے عزیز ہیں۔

★ ایک تو یہ کہ وہ نورِ چشم ہیں رحمتٌ للعالمین حضرت محمدؐ صلعم کی جو سب کے امام اور خاتم المرسلین ہیں۔

★ جنھوں نے گیتی کے پیکر میں ایک نئی روح پھونکی اور زمانے کو ایک نیا آئین (قرآنِ حکیم) عطا کر کے دنیا میں ایک نیا انقلاب پیدا کیا۔

★ دوسرے یہ کہ وہ حضرت علیؓ کی زوجہ محترمہ تھیں جو تاجدار ھل اتیٰ تھے اور جو مشکل کشا اور شیرِ خدا کے خطاب سے سرفراز تھے۔[۱]

★ وہ خلیفۃ المومنین تھے، جن کا ایوان ایک جھونپڑی تھی اور جن کا ساز و سامان صرف ایک تلوار اور ایک زرہ تھی۔

★ تیسرے یہ کہ وہ حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کی والدہ محترمہ تھیں۔ ان میں ایک عشق کے پرکار کے مرکز تھے اور دوسرے عشق کے کارواں کے سالار تھے۔

★ ان میں ایک یعنی حضرت امام حسنؓ شبستانِ حرم کی شمع تھے اور بہترین قوم یعنی اسلام کے محافظ تھے۔ (آپؓ ملّتِ اسلامیہ کی جمعیت اور اس کو باہمی اختلاف سے بچانے کی خاطر خلافت سے دستکش ہو گئے۔)

---

۱ (سورۃ الدہر: آیت ۸) وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝
اور اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔
(یہ سورۃ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ اور ان کے خانوادے کی شان میں نازل ہوئی۔)

تا نشیند آتشِ پیکار و کیں | پشتِ پا زد بر سرِ تاج و نگیں

واں دِگر مولائے ابرارِ جہاں | قوّتِ بازوئے احرارِ جہاں

در نوائے زندگی سوز از حسینؓ | اہلِ حق حرّیّت آموز از حسینؓ

سیرتِ فرزندہا از اُمّہات | جوہرِ صدق و صفا از اُمّہات

مزرعِ تسلیم را حاصل بتولؓ | مادراں را اسوۂ کامل بتولؓ

بہرِ محتاجے دلش آں گونہ سوخت | با یہودے چادرِ خود را فروخت

نوری و ہم آتشی فرمانبرش | گم رضایش در رضائے شوہرش

آں ادب پروردۂ صبر و رضا | آسیا گرداں و لب قرآں سرا

گریہ ہائے او ز بالیں بے نیاز | گوہر افشاندے بدامانِ نماز

اشکِ او برچید جبریل از زمیں | ہمچو شبنم ریخت بر عرشِ بریں

رشتۂ آئینِ حق زنجیرِ پاست | پاسِ فرمانِ جنابِ مصطفےٰ است

ورنہ گردِ تربتش گردیدمے
سجدہ ہا بر خاکِ او پاشیدمے

★ اس مقصد کے پیشِ نظر کہ دنیائے اسلام میں فتنہ و فساد اور جنگ و جدال کی آگ خاموش ہو جائے۔ آپ نے تاج و نگیں کو لات مار دی۔ (خلافت سے دستبردار ہو گئے۔)

★ اور دوسرے یعنی حضرت امام حسینؓ تھے جو دنیا کے ابرار (نیکو کاروں اور پرہیز گاروں) کے سردار اور احرار (خدا کے آزاد بندوں) کے بازوؤں کی قوت تھے۔

★ امام حسینؓ کی ذات سے نوائے حیات میں عشق کا سوز اور زندگی کا جوش و خروش پایا جاتا ہے اور اہلِ حق (و صداقت) امام حسینؓ سے حریّت کا سبق حاصل کرتے ہیں۔

★ فرزندانِ قوم کی سیرت کی تشکیل اُمّہات (ماؤں) پر منحصر ہوتی ہے۔ وہی ان میں صدق و صفا (سچائی اور پاکیزگی) کے جوہر پیدا کرتی ہیں۔

★ حضرت فاطمہ بتولؓ کی ذات سراپا تسلیم و رضا تھی۔ (ان کی ذات تسلیم و رضا کی کھیتی کا حاصل تھی۔) اور ماؤں کے لیے اسوۂ کامل (مکمل نمونہ) تھی۔

★ کسی محتاج کو دیکھ کر ان کا دل اس قدر تڑپ اٹھا تھا کہ انھوں نے ایک مرتبہ اپنی چادر تک یہودی کو فروخت کی اور حاجت مند کی حاجت روا کی۔

★ کیا نوری اور کیا ناری (جنّ و ملائک) سبھی ان کے فرمانبردار تھے۔ انھوں نے اپنی رضا کو شوہر کی رضا میں گم (غرق) کر دیا تھا۔ (گویا راضی برضائے شوہر رہتی تھیں۔)

★ انھوں نے حضورِ اکرمؐ سے صبر و رضا کا سبق سیکھا تھا۔ وہ دستِ مُبارک سے چکّی پیستیں اور لب تلاوتِ کلام میں مصروف رہتے۔

★ ان کے آنسو بالین سے بے نیاز رہتے۔ وہ یہ گوہر جا نماز (مصلیٰ) پر نماز کے وقت لٹاتی تھیں۔

★ اور جبریل علیہ السّلام ان کے اشکوں کو زمین پر سے چُنتے اور شبنم کے طور پر عرشِ بریں پر بکھیرتے۔

★ قوانینِ خداوندی کی پابندی سے مجبور ہوں۔ (خدائی آئین کا رشتہ میرے پاؤں کی زنجیر ہے۔) بخدا شریعت مانع آتی ہے اور فرمانِ نبویؐ کا پاس و لحاظ ہے۔

★ ورنہ میں حضرت زہراؓ کی مقدّس تربت کا طواف کرتا اور اس کی مقدّس خاک پر سجدے کرتا۔

خطاب بہ مخدّراتِ اسلام

اے ردایت پردۂ ناموسِ ما　　تابِ تو سرمایۂ فانوسِ ما

طینتِ پاکِ تو مارا رحمت است　　قوّتِ دین و اساسِ ملّت است

کودکِ ما چوں لب از شیرِ تو شست　　لاالٰہ آموختی اورا نخست [1]

می تراشد مہرِ تو اطوارِ ما　　فکرِ ما گفتارِ ما کردارِ ما

برقِ ما کو در سحابت آرمید　　بر جبل رخشید و در صحرا تپید

اے امینِ نعمتِ آئینِ حق　　در نفسہائے تو سوزِ دینِ حق

دورِ حاضر تر فروش و پر فن است　　کاروانش نقدِ دیں را رہزن است

کور و یزداں ناشناس ادراکِ او　　ناکساں زنجیریِ پیچاکِ او

چشمِ او بیباک و نا پرواستے　　پنجۂ مژگانِ او گیراستے

---

[1] بچہ ابھی شیر خوار ہی ہوتا ہے کہ اس کی ماں اس کو اللہ اللہ سکھاتی ہے۔ اسی لیے اللہ پاک نے اپنی عبادت کے بعد ہی والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ بنی اسرائیل آیت : ۲۳

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ وَبِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا ط اور تمھارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

مستوراتِ اسلام سے خطاب

★ اے دخترِ اسلام! تیری چادر ہماری ناموس کا پردہ ہے، اور تیرا درد و سوز (گرمی و روشنی) ہمارے فانوس کا سرمایہ ہے۔ (ہمارے دل کو روشنی اور گرمی عطا کرتا ہے)

★ تیری پاکیزگی اور حیاداری (پاک فطرت) ہمارے حق میں رحمت ہے۔ اس سے دین کو قوت اور ملت کی اساس (بنیاد) کو مضبوطی حاصل ہوتی ہے۔

★ جب اسلام کا کوئی شیر خوار بچہ تیرا دودھ پیتا ہے تو سب سے پہلے تو اسے لاالہٰ سکھاتی ہے۔

★ اس طرح تیری شفقت اور مہر و محبت ہمارے اطوار و اخلاق کی تراش خراش کرتی ہے اور ہمارے افکار، گفتار اور کردار کی تشکیل و تعمیر کرتی ہے۔

★ ہماری بجلیاں (فرزندانِ اسلام) جو تیرے دامن کے بادل میں پروان چڑھیں وہ پہاڑوں پر چمکیں اور صحراؤں میں کوندیں اور تڑپی ہیں۔

★ اے تو کہ آئینِ حق (قرآن حکیم) جیسی نعمت کی امانت دار ہے، تیرے انفاس میں دینِ حق کی گرمی اور تپش (درد و سوز) ہے۔

★ دورِ حاضر بڑا ہی دغاباز (گندم نما جو فروش) اور عیار ہے۔ اس کا کارواں متاعِ دین کا راہزن (لٹیرا) ہے۔

★ وہ عقل کا اندھا ہے، کوڑھ مغز ہے۔ اس کی عقل و دانش خدا کی منکر ہے اور غریب اور بیکس لوگ، کمزور لوگ، اس کی سیاست کے پیچ و خم (پیچاک) میں اسیر ہیں۔

★ اور اس کی آنکھیں بے باک اور بے مروت ہیں اور اس کی پلکوں کا پنجہ بڑا سخت گیر اور سفاک ہے۔

صیدِ او آزاد خواند خویش را　　کشتۂ او زندہ داند خویش را

آب بندِ نخلِ جمعیت توئی　　حافظِ سرمایۂ ملت توئی

از سرِ سود و زیاں سودا مزن　　گام جز بر جادۂ آبا مزن

ہوشیار از دستبردِ روزگار　　گیر فرزندان خود را در کنار

ایں چمن زاداں کہ پر نکشادہ اند　　ز آشیانِ خویش دور افتادہ اند[1]

فطرتِ تو جذبہ ہا دارد بلند　　چشم ہوش از اسوۂ زہرا(رض) مبند

تا حسینے(رض) شاخِ تو بار آورد

موسمِ پیشیں بگلزار آورد

خلاصۂ مطالبِ مثنوی

در تفسیر سورۂ اخلاص

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ

من شبے صدیق را دیدم بخواب　　گل ز خاکِ راہِ او چیدم بخواب

[1] پنہاں تھا دام سخت قریب آشیاں کے　　اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

★ اس کی سیاست کی جادوگری کا یہ عالم ہے کہ اس کا شکار خود کو آزاد تصور کرتا ہے اور اس مارا ہوا (کشتہ) خود کو زندہ تصور کرتا ہے۔

★ تو ہی باغِ ملت کے نونہالوں کی آبیاری کرتی ہے۔ دراصل ملت کے سرمایہ کی تو ہی امین و محافظ ہے۔

★ دنیوی سود و زیاں کے پیشِ نظر کسی قسم کی سودا بازی نہ کر اور اپنے آباؤ اجداد کے راستے کے علاوہ کسی اور راہ پر قدم نہ رکھ۔

★ ہاں زمانے کی لوٹ مار سے ہوشیار رہ اور اپنے فرزندوں کو اپنی گود میں چھپا لے اور زمانے کی دستبرد (چھین جھپٹ) سے انھیں محفوظ رکھ۔

★ یہ (ننھے منّے) چمن زادے ابھی اپنے پر تولنے بھی نہیں پاتے کہ اپنے آشیانوں سے دور پھینک دیے جاتے ہیں۔

★ تیری پاک فطرت اعلیٰ اور بلند جذبات کی حامل ہے۔ لہٰذا اپنے ہوش کی آنکھوں کو حضرت فاطمہ الزہرا رضؓ کے اسوۂ حسنہ (کردار و سیرت) سے روشن کر۔ (ان کی سیرت و کردار کو آنکھوں میں بسا)

★ تاکہ تیری شاخِ حیات سے کوئی حسینؓ پیدا ہو اور باغِ اسلام میں گزری ہوئی بہار پھر سے لوٹ آئے۔

مثنوی کے مطالب کا خلاصہ

تفسیر سورۂ اخلاص

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ

(کہو وہ اللہ ہے یکتا)

★ میں نے ایک رات حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ ان کی خاکِ راہ سے پھول چن رہا ہوں۔

آں اَمَنّ[1] النّاس بر مولائے ما — آں کلیمِ اوّلِ سینائے ما[2]

ہمتِ او کشتِ ملت را چو ابر[3] — ثانیٔ اِسلام و غار و بدر و قبر

گفتمش اے خاصۂ خاصانِ عشق — عشقِ تو سرِ مطلعِ دیوانِ عشق

پختہ از دستت اساسِ کارِ ما — چارۂ فرما پئے آزارِ ما

گفت تا کے در ہوس گردی اسیر — آب و تاب از سورۂ اخلاص گیر

اینکہ در صد سینہ پیچد یک نفس — سرّے از اسرارِ توحید است و بس

---

۱ اَمَنَّ النَّاسِ عَلَیَّ فِیْ صُحْبَتِہٖ وَمَالِہٖ اَبُوْبَکْرٍ (حدیث)
یعنی دنیا کے تمام انسانوں میں صحبت و رفاقت اور مال و دولت کے اعتبار سے ابوبکرؓ نے مجھ پر سب سے زیادہ احسانات کیے ہیں۔

۲ مستورات میں سب سے اوّل حضرت خدیجہؓ نے اسلام قبول کیا۔ لڑکوں میں حضرت علیؓ نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے اسلام قبول کیا۔

۳ بدر کے معرکہ میں اسلامی فوج کے پیچھے ایک اونچی جگہ پر حضور کے لیے ایک مختصر سایہ دار چھپّر بنا دیا گیا تھا۔ جس میں بیٹھے ہوئے آپؐ لڑائی دیکھ رہے تھے۔ ابوبکر صدیقؓ کو آپؐ نے اپنے پہلو میں بٹھا لیا تھا اور سعد بن معاذ سامنے تلوار کھینچے کھڑے تھے۔ لڑائی شدّت پر تھی کہ یکایک آپؐ جوش میں آ کر چھپّر کے باہر نکل آئے، فتح کی دعا مانگی، مٹھی میں سنگریزے اٹھا کر مشرکین کی طرف پھینکے اور مسلمانوں کو للکارا، بس اسی حملے نے لڑائی کا فیصلہ کر دیا۔

★ وہ ابوبکرؓ جن کے بارے میں حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے "اَمَنّ النَّاسِ" اور جو ہمارے کوہِ سینا (کوہِ طور یعنی دینِ اسلام) کے کلیمِ اوّل یعنی اوّلین حلقہ بگوشوں میں سے تھے۔

★ ان کی ہمت اور جاں نثاری ملتِ اسلامیہ کی کھیتی کے لیے ابرِ رحمت تھی۔ وہ حضورؐ کے بعد خلیفۃ المسلمین بنے۔ غارِ ثور میں حضورؐ کے تنہا ساتھی تھے۔ بدر میں ایک او نچے سائبان میں حضورؐ کے ساتھ تھے اور روضۂ نبوی میں حضورؐ کے مزار کے پہلو میں آپ کا مزار ہے۔[1]

★ میں نے کہا کہ اے عاشقانِ حق کے امیر! عشقِ حق کے دیوان میں آپ کا عشق مثلِ مطلعِ اوّل کے ہے۔

★ آپ کی خلافت کے ہاتھوں ملتِ اسلامیہ کی اساس پائدار ہوئی ہے۔ لہٰذا ہمارے آزار اور مصائب کا بھی علاج فرمایئے اور چارہ گری کیجیے۔[2]

★ حضرت ابوبکرؓ نے جواب میں فرمایا کہ اے مسلمان! تو کب تک ہوا و ہوس کا شکار رہے گا۔ سورۂ اخلاص کا مطالعہ کر اور اس سے گرمی اور روشنی حاصل کر اور اسے شعلِ راہ بنا۔

★ یہ جو سینکڑوں سینوں میں ایک ہی سانس جاری و ساری ہے، یہ بھی توحید کے اسرار میں سے ایک راز ہے۔ (یعنی سب کی خالق خدا کی ذاتِ واحد ہے۔)[3]

---

[1] یہ شعر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل کے متعلق ہے۔ غارِ ثور کے بارے میں سورۃ التوبہ آیت ۴۰ میں ارشاد ہے: اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا .... الخ

اگر تم پیغمبر کی مدد نہ کرو گے تو خدا ان کا مددگار ہے۔ اور وہ وقت تم کو یاد ہوگا جب ان کافروں نے گھر سے نکال دیا۔ اس وقت دو ہی شخص تھے جن میں ایک ابوبکرؓ تھے دوسرے خود رسول اللہؐ۔ جب وہ دونوں غارِ ثور میں تھے، اس وقت پیغمبر اپنے رفیق کو تسلّی دیتے تھے کہ غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے، تو خدا نے ان پر تسکین نازل فرمائی اور ان کو ایسے لشکروں سے مدد دی جو تم کو نظر نہیں آتے تھے۔

[2] حضور اکرمؐ کے وصال کے بعد حالات بڑے تشویشناک ہو گئے تھے۔ مختلف گروہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے تھے۔ بعض مرتد ہو گئے تھے کچھ لوگوں نے نبوّت کا دعویٰ کیا اور بعض نے زکوٰۃ روک لی۔ حضرت ابوبکرؓ نے بڑے عزم و ہمت سے حالات کا سدِباب کیا۔

[3] خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ۔ ہم نے تم کو نفسِ واحدہ سے پیدا کیا ہے۔

رنگِ او برکن مثالِ او شوی | در جہاں عکسِ جمالِ او شوی [1]
آنکہ نامِ تو مسلماں کردہ است | از دوئی سوئے یکی آوردہ است [2]
خویشتن را ترک و افغاں خواندۂ | وائے بر تو آنچہ بودی ماندۂ [3]
وا رہاں نامیدہ را از نامہا | ساز با خم، درگزر از جامہا
اے کہ تو رسوائے نام افتادۂ | از درختِ خویش خام افتادۂ
با یکی ساز از دوئی بردار رخت | وحدتِ خود را مگرداں لخت لخت
اے پرستارِ یکی گر تو توئی | تا کجا باشی سبق خوانِ دوئی
تو درِ خود را بخود پوشیدۂ | در دل آور آنچہ بر لب چیدۂ
صد ملل از ملّتے انگیختی | بر حصارِ خود شبیخوں ریختی

---

[1] (سورۃ البقرہ : ۱۳۸) صِبْغَةَ اللّٰهِ ج وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ٥ کہہ دو کہ ہم نے خدا کا رنگ اختیار کر لیا ہے اور خدا سے بہتر رنگ کس کا ہو سکتا ہے۔ اور ہم اس کی عبادت کرنے والے ہیں۔

[2] وَهُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ٥

[3] یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو | تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

★ اگر تم اس کا رنگ اختیار کرو تو اس کے جیسا ہو جاؤ گے اور اس دنیا میں اس کے عکسِ جمال کے آئینہ دار بن جاؤ گے ۔ (وہ یکتا اور یگانہ ہے تم بھی یگانہ ہو جاؤ گے)[1]

★ جس نے تمھارا نام مسلمان رکھا، اس کا مقصد یہی تھا کہ تم دوئی (رنگ و نسل وغیرہ کے امتیازات) کو چھوڑ کر ایک ہو جاؤ ۔ (تم میں باہمی اخوت اور وحدت پیدا ہو جائے)

★ لیکن تم نے اپنے آپ کو ترک، افغانی اور ایرانی کہہ کر خود کو مختلف قوموں میں بانٹ لیا ۔ افسوس کہ تم پھر وہی قبیلہ پرست بن گئے، جو اسلام سے پہلے تھے ۔

★ لہٰذا خود کو رنگ و نسل اور ملک و قوم کے امتیازی ناموں سے آزاد کرو بساغر و جام سے درگزر کرو اور خود کو خم و مینا سے وابستہ کرو ۔

★ اے مسلمان! تو اس قسم کے امتیازی ناموں سے رسوا ہو گیا ہے اور اپنے درخت سے خام حالت میں ٹوٹ کر گر پڑا ہے ۔ (رنگ و نسل اور ملک و قوم کا امتیاز اسلامی کمزوری اور خامی ہے)

★ پس خود کو "ایک" سے (ملی وحدت سے) منسلک کر لے (ساز گار بنا لے) اور دوئی (کے سامان) کو ترک کر دے اور اسلامی وحدت کے ٹکڑے نہ کر ۔

★ اے خدائے واحد کے پرستار اگر تو واقعی تو ہے (وحدت کا قائل ہے) تو پھر دوئی کا سبق کیوں پڑھتا ہے ۔ (اگر تو واقعی دوئی کا پرستار ہے تو پھر دوئی کے طلسم میں کب تک گرفتار رہے گا)

★ تو نے اپنا دروازہ اپنے آپ پر بند کر لیا ہے ۔ خدارا کلمۂ وحدت کو جو تیری زبان پر ہے اپنے دل میں اُتار (تاکہ تیرے قول و عمل میں اختلاف نہ ہو ۔)

★ تو نے ایک واحد ملت سے سو قومیں بنا ڈالیں اور اپنے ہی حصار (اسلام) پر شبخوں مارا ہے ۔

---

[1] (سورہ نور : ۳۵) اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ

خدا آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے ۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے گویا ایک طاق ہے جس میں چراغ ہے اور چراغ ایک قندیل میں ہے اور قندیل ایسی صاف و شفاف ہے کہ گویا موتی کا سا چمکتا ہوا تارا ہے ۔ اس میں ایک مبارک درخت کا تیل جلایا جاتا ہے یعنی زیتون کہ نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف ......

یک شود توحید را مشہود کن   غائبش را عمل موجود کن

لذتِ ایماں فزاید در عمل

مردہ آں ایماں کہ ناید در عمل[1]

اَللّٰہُ الصَّمَدُ

گر بہ اللّٰہ الصمد دل بستۂ   از حدِ اسباب بیروں جستۂ

بندۂ حق بندۂ اسباب نیست   زندگانی گردشِ دولاب نیست[2]

مسلم استی بے نیاز از غیر شو   اہلِ عالم را سراپا خیر شو

پیشِ منعم شکوۂ گردوں مکن   دستِ خویش از آستیں بیروں مکن

چوں علی رض در ساز با نانِ شعیر   گردنِ مرحب شکن خیبر بگیر

---

1. قرآن پاک میں بکثرت مقامات ایسے ہیں جہاں "آمنو" کے ساتھ ساتھ "عملوا الصالحات" کا ذکر ہے۔

2. دمادم نقشہائے تازہ ریزد   بیک صورت قرارِ زندگی نیست
اگر امروزِ تو تصویرِ دوش است   بخاکِ تو شرارِ زندگی نیست   (اقبال)
ہر اک لمحہ بدلتا ہے زمانہ   نہیں یکساں قرارِ زندگانی
اگر ہے کل کی صورت آج تیرا   نہیں تجھ میں شرارِ زندگانی

★ لہٰذا ایک ہو جا اور توحید کو دنیا پر آشکار کر اور جو غائب ہے اسے اپنے عمل سے نمایاں کر۔

اگر قوم اللہ کو ایک تسلیم کرتی ہے تو اسے اپنے اندر وحدت پیدا کرنی چاہیے تاکہ دنیا پر ظاہر ہو جائے کہ وہ ایک ہی خدا کی پرستار ہے۔

★ عمل سے ایمان کی لذت میں اضافہ ہوتا ہے۔ وہ ایمان جو عمل میں نہیں آتا لاش کی طرح بے جان ہو جاتا ہے۔ (وحدتِ خداوندی کا تقاضا ہے کہ مسلمان بھی ایک ہوں اور وحدتِ قومی کا مظہر ہوں۔)

اَللّٰہُ الصَّمَدُ

اللہ سب سے بے نیاز ہے

★ اگر تو خدائے بے نیاز سے اپنا دل لگائے گا تو تمام دنیوی اسباب اور وسائل سے بے نیاز ہو جائے گا۔

★ جو خدا کا بندہ ہوتا ہے وہ دنیا کا بندہ نہیں ہوتا۔ وہ دنیوی اسباب سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اور (اس کی) زندگی رہٹ کی گردش نہیں ہوتی۔ (زندگی مسلسل انقلاب و ارتقا کا نام ہے۔)

★ اگر تو مسلم ہے تو خدا کے سوا ہر شے (غیر) سے بے نیاز ہو جا اور دنیا کے لوگوں کے لیے سراپا خیر بن جا[1]

★ کسی دولت مند کے سامنے آسمان یا گردشِ زمانہ کی شکایت نہ کر اور کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کر۔ (اپنی آستین سے ہاتھ باہر نہ نکال۔)

★ حضرت علیؓ کی طرح نانِ جویں (جو کی روٹی) پر اکتفا کر اور مرحب جیسے گردن کش کی گردن کاٹ لے، اور خیبر جیسے قلعہ کو سر کر کے اپنے قبضہ میں لا۔

---

[1] پہلے مصرع کی تلمیح سورۃ المومن آیت ۶۰ میں ہے: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اور تمھارے پروردگار نے کہا ہے کہ تم مجھ سے دُعا کرو میں تمھاری دُعا قبول کروں گا۔ (اس لیے غیر اللہ سے مانگنا مسلمان کی شان کے خلاف ہے۔) اور دوسرے مصرع سے متعلق دیکھیں کہ جب مسلمان کے لیے اللہ کے یہاں خیر ہی خیر ہے تو مسلمان بھی اہلِ عالم کے لیے خیر ہے۔ سورۃ النحل آیت ۹۵ میں ہے: اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ بیشک جو اللہ کے یہاں ہے وہی خیر ہے تمھارے لیے اگر تم جانتے ہو۔

منّت از اہلِ کرم بُردن چرا
نشترِ لا و نعم خوردن چرا[1]

رزقِ خود را از کفِ دوناں مگیر
یوسف استی خویش را ارزاں مگیر[2]

گرچہ باشی مور و ہم بے بال و پر
حاجتے پیشِ سلیمانے مبر[3]

راہِ دشوار است ساماں کم بگیر
در جہاں آزاد زی آزاد میر

سبحۂ اَقْلِلْ مِنَ الدُّنیا شمار
از تعِش حُرّاً شوی سرمایہ دار

ناتوانی کیمیا شو گِل مشو
در جہاں منعم شو و سائل مشو

اے شناسائے مقامِ بو علیؒ
جرعۂ آرم زجامِ بو علیؒ

پشت پا زن تختِ کیکاوس را
سر بدہ از کف مدہ ناموس را

خود بخود گردد درِ میخانہ باز
بر تہی پیمانگانِ بے نیاز

---

1. اقبالِ کرم می گزد اربابِ ہمم را ہمت نخورد نیشترِ لا و نعم را (عرفی)
2. اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی (اقبال)
3. مور کی گدائی سے بہتر ہے شکست مورِ بے پر حاجتے پیشِ سلیمانے مبر (اقبال)

★ اہلِ کرم کا احسان کیوں اٹھایا جائے اور ان کی ہاں اور نہیں کے نشتروں سے دل کو زخمی کیوں کیا جائے۔

★ کم ظرف اور ذلیل لوگوں کے ہاتھ سے رزق نہ لے۔ تو یوسف ہے۔ خود کو اتنا ارزاں اور بے مسیح مت سمجھ۔

★ اگر تو ایک چیونٹی کے مانند ہو اور وہ بھی بے بال و پر ہو، ایسی حالت میں بھی اپنی حاجت سلیمان کے سامنے پیش نہ کر۔

★ زندگی کی راہ بہت کٹھن ہے لہٰذا زیادہ ساز و سامان نہ لے۔ اس دنیا میں آزاد، زندہ رہ اور آزاد مر۔ (آزادانہ زندگی بسر کر اور آزادانہ یہاں سے کوچ کر۔)

★ حضرت عمرؓ کے ارشاد "اَقلل من الدنیا تعش حراً" (دنیا کی کم سے کم چیزیں حر کو عیش و آرام پہنچاتی ہیں۔) کا وِرد کر یعنی اس پر عمل پیرا ہو۔

★ جہاں تک ممکن ہو کیمیا بن گِل (مٹی یا کیچڑ) نہ بن۔ اس دنیا میں دولتمند (منعم) بن لیکن سائل نہ بن۔

★ اے ہمدم! تو ابو علی قلندرؒ کے مقام سے آگاہ ہے۔ میں ان کے افکار کے جام سے ایک گھونٹ تجھے پلاتا ہوں۔

★ ان کا ارشاد ہے کہ تختِ کیکاؤس کو ٹھکرا دے، اپنا سر دے دے لیکن اپنی ناموس کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ (اپنی عزت کے لیے تاج و تخت اور اپنی جان کی بھی پروا نہ کر۔)

★ جب تشنہ لب اور تہی پیمانہ لوگ (جن کے پیمانے خالی ہوتے ہیں) بے نیازی اختیار کرتے ہیں تو میخانے کے دروازے ان کے لیے خود بخود کھل جاتے ہیں۔ (بے نیازی کا گویا یہ ایک اعجاز ہے، کرشمہ ہے۔)

ا؎ اَقْلِلْ مِنَ الدُّنْیَا تَعِشْ حُرًّا (قولِ فاروقؓ)

احرار کی خوشی اس بات میں ہے کہ وہ دنیا کی کم سے کم متاع پر قانع ہوتے ہیں۔

چیست دنیا از خدا غافل بدن نے قماش و نقرہ و فرزند و زن (رومیؒ)

قائدِ اسلامیاں ہاروں رشید — آنکہ نقفور آبِ تیغِ او چشید[1]

گفت مالکؓ راکہ اے مولائے قوم — روشن از خاکِ درت سیمائے قوم

اے نواپرداز گلزارِ حدیث — از تو خواہم درسِ اسرارِ حدیث

لعل تاکے پردہ بند اندر یمن — خیز و در دار الخلافہ خیمہ زن

اے خوشا تابانیٔ روزِ عراق — اے خوشا حسنِ نظر سوزِ عراق

می چکد آبِ خضر از تاکِ او — مرہمِ زخمِ مسیحا خاکِ او

گفت مالکؓ مصطفیٰ را چاکرم — نیست جز سودائے او اندر سرم

من کہ باشم بستۂ فتراکِ او — بر نخیزم از حریمِ پاکِ او

زندہ از تقبیلِ خاکِ یثربم — خوشتر از روزِ عراق آمد شبم

---

[1] نقفور (نسی فورس) رومی سلطنت کا بادشاہ تھا۔ ابتدا میں ملکہ آئرن کا وزیر تھا لیکن حکمتِ عملی سے ملکہ کو ہٹا کر خود تختِ سلطنت پر بیٹھ گیا۔ ملکہ خلیفۂ بغداد کو خراج ادا کرتی تھی۔ نقفور نے نہ صرف یہ کہ خراج دینے سے انکار کیا بلکہ خود خلیفہ سے خراج طلب کیا۔ اس پر خلیفہ نے غیظ میں آکر اس پر حملہ کیا اور اسے شکست دی اور خراج دینے پر مجبور کیا۔

★ بغداد کا خلیفہ ہارون رشید مسلمانوں کا قائد اور امیر تھا اور جس نے رومی شہنشاہ نقفور کو شکستِ فاش دی۔ (اور اپنی تلوار کا مزہ چکھایا)

★ اس خلیفہ نے ایک مرتبہ امام مالکؒ سے کہا کہ اے قوم کے والی اور رہبر آپ کے آستانے کی خاک سے قوم کی پیشانی روشن ہے۔

★ آپ گلشنِ حدیث کے خوش نوا عندلیب ہیں۔ میں آپ سے حدیث کا درس لینا چاہتا ہوں اور اس کے اسرار (باریکیوں) کی معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

★ آخر لعل کب تک کانِ یمن کے پردوں میں بند رہے گا؟۔ مناسب یہی ہے کہ اپنے وطن سے نکل کر دارالخلافہ بغداد آکر سکونت اختیار کریں۔

★ کیونکہ عراق روئے زمین پر فردوس کے مانند ہے۔ اس کی صبحیں روشن اور دلکش ہوتی ہیں اور اس کا حُسن دیکھنے والوں کی نگاہوں کو خیرہ کرتا ہے۔

★ اس کی تاک سے (انگور کی بیلوں سے) آبِ حیات ٹپکتا ہے اور اس کی خاک مسیحا کے زخموں کے لیے مرہم کا کام دیتی ہے۔

★ امام مالکؒ نے جواب دیا کہ میں حضور اکرمؐ کا چاکر ہوں۔ میرے سر میں ان کے عشق کا سودا سمایا ہوا ہے۔ لہٰذا مجھے اس کے سوا اور کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ ان کے در پر پڑا رہوں۔

★ میں تو ایک صید کی طرح ان کی فتراک سے بندھا ہوا ہوں، لہٰذا ان کی حریم پاک (روضۂ مبارک) سے اُٹھنا میرے لیے ممکن نہیں۔

★ میں تو یثرب کی خاکِ پاک کو چوم چوم کر زندہ رہتا ہوں۔ مجھے تو یہاں کی شب، عراق کی صبح سے زیادہ دلکش اور پُرلطف معلوم ہوتی ہے۔

عشق می گوید کہ فرمانم پذیر		پادشاہاں را بخدمت ہم مگیر

تو ہمی خواہی مرا آقا شوی		بندۂ آزاد را مولا شوی

بہرِ تعلیمِ تو آیم بر درت		خادمِ ملت نہ گردد چاکرت

بہرہ خواہی اگر از علمِ دیں		درمیانِ حلقۂ درسم نشیں

بے نیازی ناز ہا دارد بسے

نازِ او انداز ہا دارد بسے

بے نیازی رنگِ حق پوشیدن است		رنگِ غیر از پیرہن شوئیدن است

علمِ غیر آموختی اندوختی		روئے خویش غازہ اش افروختی

ارجمندی از شعارش می بری		من ندانم تو توئی یا دیگری

از نسیمش خاکِ تو خاموش گشت		وز گل و ریحاں تہی آغوش گشت

کشتِ خود از دستِ خود ویراں مکن		از سحابش گریۂ باراں مکن

عقلِ تو زنجیریٔ افکارِ غیر		در گلوئے تو نفس از تارِ غیر

★ عشق مجھے کہتا ہے کہ میرے فرمان کی تعمیل کر اور بادشاہوں کی خدمت کا شرف بھی حاصل ہو تو قبول نہ کر بلکہ وہ اگر خدمت کرنا چاہیں تو بھی قبول نہ کر۔

★ اور اے بادشاہ تو یہ چاہتا ہے کہ میرا آقا بنے اور ایک آزاد بندے کا مولا و مالک بنے۔

★ اور یہ کہ میں تجھے درس دینے کی غرض سے تیرے دروازے پر آؤں۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ جو مِلّت کا خادم ہوتا ہے وہ تیرا غلام نہیں بن سکتا۔

★ اگر تجھے علم دین کے حصول کی خواہش ہے تو میرے حلقۂ درس میں آکر بیٹھ۔

★ بے نیازی بہت سارے ناز رکھتی ہے اور اس ناز کے بہت سارے انداز ہیں۔

★ بے نیازی سے مُراد خدا کے رنگ (خدا کی صفتِ صمدیت) کو اپنانا (پہننا ہے) اور اپنے پیرہن سے غیر کے رنگ کو دھوڈالنا ہے۔

★ تو نے غیر کا علم حاصل کیا اور اس کا ذخیرہ جمع کرلیا ہے اور اس کے غازے سے اپنا چہرہ روشن کیا ہے۔

★ تو اس کے شعار، اس کے طور طریق پر چل کر عزت و بزرگی (ارجمندی) حاصل کرنا چاہتا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ یہ تو ہے یا کوئی اور ہے۔

★ (اس کی نسیم یعنی) اس کی مسموم ہواؤں نے تیرے باغ کی سرزمین کو بنجر (خاموش) بنادیا ہے اور اسے گل و ریحان سے محروم کردیا ہے۔

★ لہٰذا اپنی کِشت (کھیتی) کو اپنے ہی ہاتھوں ویران نہ کر اور اس کے بادلوں سے بارش کی بھیک نہ مانگ۔

★ غیر کے افکار و خیالات کی زنجیروں میں تیری عقل جکڑی ہوئی ہے (تو غیر کے ساز پر نغمے الاپ رہا ہے) گویا تیرے گلے سے غیر کے ساز کے تاروں کی آواز نکل رہی ہے۔

برزبانت گفتگوہا مستعار　　　　در دلِ تو آرزوہا مستعار

قمریانت را نواہا خواستہ　　　　سروہایت را قباہا خواستہ

بادہ می گیری بجام از دیگراں　　　　جام ہم گیری بوام از دیگراں

آں نگاہش سرِّ مَازَاغَ الْبَصَر　　　　سوئے قومِ خویش باز آید اگر

می شناسد شمع او پروانہ را　　　　نیک داند خویش و ہم بیگانہ را

لَسْتَ مِنِّیْ گویدت مولائے ما

وائے ما، اے وائے ما، اے وائے ما

زندگانی مثلِ انجم تا کجا　　　　ہستیِ خود در سحر گم تا کجا

ریوے از صبحِ دروغے خوردۂ　　　　رخت از پہنائے گردوں بردۂ

آفتاب استی یکے در خود نگر　　　　از نجومِ دیگراں تابے مخر

(نجم ۱۰ اسے ۱۷) نظر نے جو کچھ دیکھا دل نے اس میں جھوٹ نہ ملایا۔ اب کیا تم اس چیز پر اس سے جھگڑتے ہو جسے وہ آنکھوں سے دیکھتا ہے، اور ایک مرتبہ پھر اس نے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اس کو دیکھا جہاں پاس ہی جنت الماویٰ ہے۔ اس وقت سدرہ پر چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھا۔ نگاہ نہ چوندھیائی نہ حد سے متجاوز ہوئی اور اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

★ تیری زبان پر مستعار (مانگے کی) باتیں ہیں اور تیرے دل کی آرزوئیں اور خواہشات بھی مستعار ہیں (تو فکر و عمل میں غیروں کی نقالی کرتا ہے۔)

★ تیری قمریوں کے ترانے بھی مستعار ہیں اور تیرے سرو کی قبائیں بھی مانگے کی ہیں۔ (تو نے اپنی ساری سماجی زندگی کو اپنے معاشرے کوان کے رنگ میں رنگ دیا ہے) اندھی تقلید کی یہ انتہا ہے۔

★ تو اپنے جام میں غیروں کی شراب لیتا ہے۔ تیرا جام بھی غیروں سے مانگا ہوا ہوتا ہے۔

★ سرورِ کائنات ﷺ جن کی نگاہیں "مازاغ البصر وما طغیٰ"[1] کی محرم راز تھیں، اگر آج اپنی قوم کی جانب آ جائیں۔

★ وہ، جن کی شمع اپنے پروانوں کو جانتی ہے اور اپنوں اور بیگانوں کو پہچانتی ہے، جب ہم پر نظر ڈالیں گے۔

★ تو ہمارے آقا و مولا ایک ایک سے صاف صاف یہی فرمائیں گے کہ "لَسْتَ مِنِّی" تو میری قوم میں سے نہیں ہے، تو میری قوم میں سے نہیں ہے۔ ہماری حالت پر افسوس صد افسوس!

★ تو کب تک ستاروں کی طرح زندگی گزارے گا اور اپنی ہستی کو سحر کی آغوش میں گم کرتا رہے گا۔

★ تو نے صبح کاذب سے فریب کھایا ہے اور آسمان کی پہنائی کو چھوڑ کر (رختِ سفر باندھا ہے اور) کوچ کر گیا ہے۔

★ ذرا اپنے اندر جھانک کر تو دیکھ۔ تجھے پتہ چلے گا کہ تو خود آفتاب ہے۔ لہٰذا دوسرے ستاروں سے روشنی مستعار نہ لے۔

---

[1] (سورۃ النجم: ۱۷) مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی
اس کی آنکھ نہ تو اور طرف مائل ہوئی اور نہ حد سے آگے بڑھی۔

بر دلِ خود نقشِ غیر انداختی　　　خاک بردی کیمیا در باختی

تا کجا رخشی ز تابِ دیگراں　　　سر سبک ساز از شرابِ دیگراں

تا کجا طوفِ چراغِ محفلے　　　ز آتشِ خود سوز اگر داری دلے[1]

چوں نظر در پردہ ہائے خویش باش　　　می پرو، اما بجائے خویش باش

در جہاں مثلِ حباب اے ہوشمند　　　راہِ خلوت خانہ بر اغیار بند

فرد فرد آمد کہ خود را وا شناخت　　　قوم قوم آمد کہ جز با خود نساخت

از پیامِ مصطفیٰ آگاہ شو

فارغ از اربابِ دون اللہ شو

---

[1] تڑپنا صورتِ پروانہ کب تک　　　یہ ترکِ شیوۂ مردانہ کب تک
کبھی تو آپ اپنی آگ میں جل　　　طوافِ آتشِ بیگانہ کب تک
(اقبال کی رباعی کا ترجمہ — شباب)

کرمکِ ناداں طوافِ شمع سے آزاد ہو　　　اپنی فطرت کی تجلی زار میں آباد ہو　　　(اقبالؒ)

★ تو نے غیروں کا نقش اپنے دِل پر بٹھالیا ہے۔ افسوس تو نے خاک اُٹھالی ہے اور کیمیا کھو بیٹھا ہے۔

★ تو کب تک غیروں کی (مانگے کی) روشنی سے چمکتا رہے گا۔ مناسب یہی ہے کہ اپنے سر کو غیروں کی شراب کے اثر سے خالی کردے۔

★ تو کب تک شمعِ محفل کا طواف کرتا رہے گا۔ اگر دل رکھتا ہے تو اسے اپنی آگ سے روشن اور پُر سوز کر۔

★ نظر کی طرح خود اپنے پردوں میں مقیم و متمکن رہ۔ پرواز ضرور کر لیکن اپنا ٹھکانہ نہ بھول۔ (اور اپنی جگہ قائم رہ)

★ اے ہوشمند انسان! اس دنیا میں حباب کی طرح اپنے خلوت خانہ کا دروازہ غیروں کے لیے بند کر لے۔

★ جب فرد نے اپنی ذات کو پہچانا، خود شناس بنا تو وہ اصل فرد کہلایا۔ اسی طرح جب کوئی قوم خود شناس بنی۔ (اپنی قومی خودی کو مستحکم کیا) اور اپنے سوا کسی اور سے سازگاری نہ کی تب کہیں وہ قوم قوم بنی۔

★ لہٰذا پیغامِ مصطفٰے سے باخبر ہو اور "اربابِ دونِ اللہ"[1] سے یعنی خدا کے سوا جو معبود ہیں ان سے اپنا تعلق منقطع کر لے۔

---

[1] (سورۂ آل عمران آیت: ۶۴) فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ۝ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ ۝ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۝

تو اگر یہ لوگ پھر جائیں تو خدا مفسدوں کو خوب جانتا ہے۔ کہہ دو کہ اے اہلِ کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے دونوں کے درمیان یکساں تسلیم کی گئی ہے۔ اس کی طرف آؤ۔ وہ یہ کہ خدا کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں کوئی کسی کو خدا کے سوا کارساز نہ سمجھے۔ اگر یہ لوگ اس بات کو نہ مانیں تو ان سے کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم خدا کے فرمانبردار ہیں۔

لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ

قومِ تو از رنگ و خوں بالاتر است | قیمتِ یک اسودش صد احمر است[1]

قطرۂ آبِ وضوئے قنبرے | در بہا برتر زخونِ قیصرے

فارغ از باب ام و اعمام باش | ہمچو سلماں زادۂ اسلام باش

نکتۂ اے ہمدمِ فرزانہ بیں | شہد را در خانہ ہائے لانہ بیں

قطرہ از لالۂ حمراستے | قطرہ از نرگسِ شہلاستے

ایں نمی گوید کہ من از عبہرم | آں نمی گوید من از نیلوفرم

ملّتِ ما شانِ ابراہیمی است | شہدِ ما ایمانِ ابراہیمی است

---

[1] (سورۃ الحجرات: ۱۳) یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ○

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔ اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بیشک خدا سب کچھ جاننے والا اور سب سے خبردار ہے۔

لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ

(نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد)

★ اے برادر! تیری قوم رنگ و خون کے نسلی امتیاز سے بے نیاز ہے۔ اس کی نظر میں (حضرت بلالؓ جیسے) ایک سیہ فام کی قدر و قیمت سو سُرخ و سفید فاموں سے زیادہ ہے۔

★ حضرت قنبر جیسے حبشی غلام کے وضو کے پانی کی قیمت قیصرِ روم کے خون سے بھی زیادہ ہے۔ (قنبر حبشی تھے اور حضرت علیؓ کے غلام تھے۔)

★ رنگ و نسب پر فخر نہ کر۔ باپ ماں اور چچا کے رشتے سے آزاد ہوجا اور حضرت سلمان کی طرح اسلام سے رشتہ جوڑ۔ (جب ان سے ان کا نسب پوچھا گیا تو فرمایا: "میں اسلام کا فرزند ہوں۔")

★ اے ہوشمند! میں تجھے ایک نکتہ بتاتا ہوں۔ تو شہد کے چھتے (کے خانوں) پر نظر ڈال اور دیکھ کہ کس طرح شہد بنتا ہے۔

★ مکھیاں پھولوں کا رس چوس کر لاتی ہیں اور چھتے میں جمع کرتی ہیں۔ کوئی قطرہ لالہ کے پھول کا ہوتا ہے تو کوئی نرگسِ شہلا (نیلی نرگس) کے پھول کا۔

★ لیکن ان میں سے کوئی قطرہ یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں سُرخ پھول کا قطرہ ہوں اور نہ کوئی یہ کہتا ہے کہ میں نیلوفر کا قطرہ ہوں۔ (تمام رس اور قطرے چھتے میں مل کر ایک ہو جاتے ہیں۔)

★ یہی کیفیت ہماری ملّت کی ہے۔ ہماری ملّت کی شان ابراہیمی ہے جنھوں نے ہماری ملّت کی بنیاد رنگ، نسل اور وطن کی بجائے توحید کے عقیدے پر رکھی ہے۔ یہی ہمارا شہد اور ایمان ہے۔[1]

---

[1] (سورہ الحج آیت: ۷۸) مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَ فِیْ هٰذَا لِیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِیْدًا عَلَیْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ ۠

اور تمھارے لیے تمھارے باپ ابراہیم کا دین پسند کیا۔ اس نے پہلے (یعنی پہلی کتابوں میں) تمھارا نام مسلمان رکھا تھا اور اس کتاب میں بھی وہی نام رکھا ہے۔ تو جہاد کرو کہ پیغمبر تمھارے بارے میں شاہد ہوں اور تم لوگوں کے مقابلے میں شاہد ہوں۔ نماز پڑھو اور زکات دو اور خدا کے دین کی رسی کو پکڑے رہو۔ وہی تمھارا دوست ہے اور خوب دوست اور خوب مددگار ہے۔

گر نسب را جزوِ ملّت کردۂ   رخنہ در کارِ اخوت کردۂ

در زمینِ ما نگیرد ریشہ ات

ہست نامسلم ہنوز اندیشہ ات

ابنِ مسعودؓ آں چراغ افروزِ عشق   جسم و جانِ او سراپا سوزِ عشق

سوخت از مرگِ برادر سینہ اش   آب گردید از گداز آئینہ اش

گریہ ہائے خویش را پایاں ندید   در غمش چوں مادراں شیون کشید

"اے دریغاں آں سبق خوانِ نیاز   یارِ من اندر دبستانِ نیاز"

"آہ آں سروِ سہی بالائے من   در رہِ عشقِ نبیؐ ہمپائے من"

حیف او محرومِ دربارِ نبیؐ [1]

چشمِ من روشن ز دیدارِ نبیؐ

نیست از روم و عرب پیوندِ ما   نیست پابندِ نسب پیوندِ ما

---

[1] بہ مصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست   اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست

★ اگر تو رنگ و نسب کو ملّت کا جزو (یا عنصر) بناتا ہے تو اِسلامی اخوت میں رخنے پیدا کرتا ہے۔ اور ملّت کا شیرازہ بکھیرتا ہے۔

★ لہٰذا اے میرے ہمدم! تیرا یہ سوچنے کا انداز غیر اسلامی ہے۔ یہ وہ ریشہ ہے جو ہماری زمین میں جڑ پکڑ نہیں سکتا، اور یہ پودا سرزمینِ اسلام سے اُگ نہیں سکتا۔

★ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ مشہور صحابی اور عاشقِ رسولؐ تھے۔ ان کے سینے میں چراغِ عشق روشن تھا، اور سوزِ عشق سے جسم و جاں سراپا آگ بن گئے تھے۔

★ جب ان کے بھائی نے وفات پائی تو آتشِ غم سے ان کا سینہ جل اُٹھا اور ان کے دِل کا آئینہ پگھل کر پانی ہوگیا۔

★ ان کی گریہ وزاری کی کوئی حد نہ تھی۔ وہ اپنے بھائی کے ماتم میں ماؤں کی طرح نالہ و بین کرنے لگے۔

★ اے وائے! وہ مکتبِ عشق میں عجز و نیاز کا درس لینے والا چل بسا۔ وہ اس مکتب میں میرا ہمدم اور ساتھی تھا۔ (ہم ایک ساتھ دربارِ نبوی میں حاضر ہوتے۔)

★ آہ میرا جوان بھائی جو قد و قامت میں سروِ رعنا تھا! وہ عشقِ رسولؐ (کی راہ) میں میرا رفیق اور ہمراہی تھا۔

★ آہ! ہم دونوں ساتھ ساتھ دربارِ رسالتؐ میں حاضر ہوتے تھے، لیکن افسوس صد افسوس کہ وہ دربارِ نبیؐ سے محروم ہوگیا اور میں ہوں کہ تنہا دیدارِ نبیؐ سے اپنی آنکھیں روشن کرتا ہوں [1]

★ روم یا عرب کی حدوں سے (جغرافیائی حدود کی وطنیت سے) ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم رنگ، نسب اور نسل کے قائل اور پابند نہیں ہیں۔

---

[1] کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں — یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

دِل بہ محبوبِ حجازی بستہ ایم — زیں جہت بایکدگر پیوستہ ایم

رشتۂ مایک تولایش بس است — چشمِ مارا کیفِ صہبایش بس است

مستیٔ او تا بخونِ ما دوید — کہنہ را آتش زد و نو آفرید

عشقِ او سرمایۂ جمعیّت است — ہمچوں خوں اندر عروقِ ملّت است[لے]

عشق در جان و نسب در پیکر است — رشتۂ عشق از نسب محکم تر است

عشق ورزی از نسب باید گذشت — ہم ز ایران و عرب باید گذشت

اُمّتِ او مثلِ او نورِ حق است — ہستیٔ ما از وجودش مشتق است

نورِ حق را کس نجوید زاد و بود — خلعتِ حق را چہ حاجت تار و پود”

ہر کہ پا در بندِ اقلیم و جد است
بے خبر از لَمْ یَلِدْ لَمْ یُوْلَدْ است

لے (سورۂ مائدہ: ۱۵، ۱۶) یٰاَہْلَ الْکِتٰبِ قَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ کَثِیْرًا مِّمَّا کُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَعْفُوْ عَنْ کَثِیْرٍ ۬ قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ۝
مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَہٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَیُخْرِجُہُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِہٖ وَ یَہْدِیْہِمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ ★ ★

★ ہم نے تو اپنا دِل محبوبِ حجازی (پیغمبرِ اسلام) سے وابستہ کر رکھا ہے اور اسی وجہ سے ہم باہم ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں۔ حضورِ اکرمؐ کی محبت ہمیں موتیوں کی طرح ایک رشتے میں پرو دیتی ہے۔

★ ہم سب کو ایک رشتے میں لانے کے لیے اس کی محبت کافی ہے۔ اس کی (محبت کی) شراب کا نشہ ہماری آنکھوں کو بدمست بنانے کے لیے کافی ہے۔

★ جب اس کے عشق کی مستی ہمارے خون میں دوڑنے لگی تو اس نے قدیم اور فرسودہ دُنیا کو پھونک دیا اور ایک نئی دنیا پیدا کی۔

★ اس کا عشق ملت کی جمعیت (باہمی اتحاد واخوت) کا سرمایہ ہے اور خون کی طرح ملت کی شریانوں میں دوڑ رہا ہے۔ (ملت گویا جسم ہے اور عشقِ رسول گویا خون ہے جو اس کی شریانوں میں دوڑ رہا ہے۔

★ عشق کا تعلق جان وروح سے ہوتا ہے اور نسب کا تعلق جسم سے ہوتا ہے۔ لہٰذا عشق کا رشتہ نسب سے زیادہ مضبوط اور پائدار ہوتا ہے۔

★ اگر تجھے عشق کا دعویٰ ہے تو تجھے رنگ ونسب کو ترک کرنا ہوگا۔ تجھے ایران وعرب کی جغرافیائی حدود سے بھی گزرنا ہوگا۔

★ اس کی امت بھی اس کی طرح خدا کا نور ہے۔ ہماری ہستی اس کے وجود سے ماخوذ ہے۔ (اس کا گویا حصّہ ہے۔)

★ نورِ حق کا کوئی وطن یا مقام تلاش نہیں کرتا خلعتِ حق کو تانے بانے کی کیا حاجت ؟ (نورِ حق کسی ملک یا وطن یا کسی سمت وحدود میں مقید نہیں ہوتا اسی طرح ملتِ اسلامیہ بھی حد بندیوں سے پاک ہے۔

★ جو بھی ملک اور رنگ ونسل کا پابند ہو جاتا ہے وہ قرآنی آیت " لم یلد ولم یولد" کے صحیح مفہوم سے بے خبر ہے۔ (خدائے لم یلد نسل ونسب سے پاک ہے تجھے بھی ان سے بے نیاز ہونا چاہیے اور ان پر قوم کی بنیاد نہیں رکھنی چاہیے ! اسی طرح خدا بے جہت اور بے حد ہے۔ تجھے بھی حدوں سے گزر کر انسانیت کو مطمحِ نظر بنانا چاہیے۔

★ ★ اے اہلِ کتاب تمھارے پاس ہمارے پیغمبر آخرالزماں آ گئے ہیں کہ جو کچھ تم کتابِ الٰہی میں سے چھپاتے تھے وہ اس میں سے بہت کچھ تمھیں کھول کر بتاتے ہیں اور تمھارے بہت سے قصور معاف کر دیتے ہیں۔ بیشک تمھارے پاس خدا کی طرف سے نور اور روشن کتاب آ چکی ہے۔ جس سے خدا اپنی رضا پر چلنے والوں کو نجات کے رستے دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے اندھیروں میں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے اور ان کو سیدھے رستے پر چلاتا ہے۔

وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ

مسلم چشم از جہاں بربستہ چیست؟ فطرتِ ایں دل بحق پیوستہ چیست؟

لالہ کو بر سرِ کوہے دمید گوشۂ دامانِ گلچینے ندید

آتشِ او شعلہ گیرد بہ بر از نفس ہائے نخستینِ سحر

آسماں ز آغوشِ خود نگذاردش کوکبِ واماندۂ پنداردش

بوسدش اوّل شعاعِ آفتاب

شبنم از چشمش بشوید گردِ خواب

رشتۂ با لَمْ یَکُنْ باید قوی تا تو در اقوامِ بے ہمتا شوی

آنکہ ذاتش واحد است و لاشریک بندہ اش ہم درنسازد با شریک

مومنِ بالائے ہر بالاترے غیرتِ او بر نتابد ہمسرے

وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ

(اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے)

★ مُسلم کی تعریف کیا ہے؟ مسلم دنیا سے بے نیاز ہوتا ہے۔ (آنکھیں موندے رہتا ہے) اور اس کا دِل قدرتی طور پر حق سے وابستہ رہتا ہے۔

★ اس کی مثال اس لالے کے پھول جیسی ہے جو کسی پہاڑ پر اُگی اور نشو و نما پاتا ہے۔ وہ دست گلچیں اور دامانِ گلچیں سے محفوظ رہتا ہے۔

★ جب صبح سویرے نسیم کے جھونکے چلنے لگتے ہیں تو وہ اور بھی نکھر جاتا ہے اور انگارے کی طرح سُرخ نظر آتا ہے۔

★ آسماں اسے اپنی آغوش سے جُدا نہیں کرتا اور اسے تھکا ماندہ تارا سمجھ کر اس کی حفاظت کرتا ہے۔

★ آفتاب کی شعاعیں سب سے پہلے اس کی پیشانی چومتی ہیں اور شبنم اس کی آنکھوں سے خواب کی گرد دھو کر صاف کرتی ہے۔

★ اگر تو اقوامِ عالم میں بے مثال بننا چاہتا ہے تو تجھے چاہیے کہ "وَلَمْ یَکُنْ..." کے رشتے کو مضبوط کرے۔ (جس طرح خدا بے نظیر ہے اور اس کا کوئی ہمسر نہیں اسی طرح تجھے اور تیری قوم کو بے نظیر ہونا چاہیے۔)

★ خدا کی ذات، واحد اور لاشریک ہے لہٰذا اس کے بندے کو بھی واحد اور لاشریک یعنی بے نظیر و بے مثال ہونا چاہیے۔

★ مومن ہر بلند سے بھی بالاتر ہوتا ہے۔ اس کی غیرت کسی ہمسر کو گوارا نہیں کرتی۔

خرقهٔ لاتحزنوا اندر برش	اَنتُمُ الْاَعْلَوْن تاجے برسرش[1]
می کشد بارِ دو عالم دوشِ او	بحر و بر پروردهٔ آغوشِ او[2]
بر غوِ تندر مدام افگندہ گوش	برق اگر ریزد ہمی گیرد بدوش
پیشِ باطل تیغ و پیشِ حق سپر	امر و نہی او عیارِ خیر و شر
در گرہ صد شعلہ دارد اخگرش	زندگی گیرد کمال از جوہرش
در فضائے ایں جہانِ ہائے وہو	نغمہ پیدا نیست جز تکبیر او
عفو و عدل و بذل احسانش عظیم	ہم بقہر اندر مزاج او کریم
سازِ او در بزم ہا خاطر نواز	سوزِ او در رزم ہا آہن گداز

---

[1] (سورۂ آل عمران: ۱۳۹)
وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ه
اور دیکھو! بیدل نہ ہونا اور نہ کسی طرح کا غم کرنا۔ اگر تم مومن (صادق) ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔

[2] (سورۂ احزاب: ۷۲) اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ ..... الخ (پچھلے صفحات میں تحریر آچکی ہے۔)
ہم نے بار امانت کو آسمانوں اور زمین پر پیش کیا تو انھوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے۔
اور انسان نے اس کو اٹھا لیا۔ بے شک وہ ظالم اور جاہل تھا۔

★ وہ "لا تہنوا ولا تحزنوا" (ہمت نہ ہارو اور غم نہ کرو) کا خرقہ (پیراہن) زیب تن کرتا ہے اور "انتم الاعلون" (تمھیں سربلند رہو گے) کا تاج سر پہ پہنتا ہے۔

★ وہ دونوں جہان کا بوجھ اپنے دوش پر اٹھاتا ہے اور بحر و بر (سمندر اور خشکی) اس کی آغوش کے پالے ہوتے ہیں۔ وہ ساری کائنات کو سنوارتا ہے۔

★ بادل کی گرج (اور بجلی کی کڑک) پر وہ اپنے کان لگائے رہتا ہے۔ اور اگر کوئی بجلی ٹوٹتی ہے تو وہ اسے اپنے کاندھے پر تھام لیتا ہے (مصائب و حوادثِ عالم کا جرأت سے مقابلہ کرتا ہے۔)

★ وہ باطل کے لیے تیغ اور حق کے لیے سپر بن جاتا ہے اور امر و نہی (کرنے اور نہ کرنے کے کام) سے متعلق اس کے احکام خیر و شر کی کسوٹی بن جاتے ہیں۔ (وہ جس چیز کا حکم دے وہ خیر ہے اور جس سے روکے وہ شر ہے۔)[1]

★ اس کی ایک چنگاری اپنی گرہ میں صدہا شعلے رکھتی ہے اور اس کے جوہر سے (اس کی کارگزاریوں سے) زندگی کو عروج و کمال حاصل ہوتا ہے۔

★ اِس پُرشور اور پُر آشوب دنیا میں اگر کوئی دلکش نغمہ فضا میں گونجتا ہے (جو زندگانی میں امن و امان کا نقیب بنتا ہے) تو وہ اس کی تکبیر ہے۔

★ رحمدلی و عفو، عدل و انصاف، جود و سخا، دردمندی و احسان اس کے اعلیٰ صفات ہیں۔ قہر کے وقت بھی وہ رحمدل ہوتا ہے اور عتاب کے وقت بھی درگزری اور بردباری سے کام لیتا ہے۔[2]

★ بزم میں اس کے ساز سے دلنواز نغمے نکلتے ہیں اور جب رزم کا ہنگامہ ہوتا ہے تو اس کا جوش و خروش اس کے دِل کی تپش فولاد کو بھی پگھلا کر رکھ دیتی ہے۔

---

[1] (سورۃ الفتح: ۲۹) مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ط محمدؐ خدا کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحمدل ہیں۔ تو ان کو دیکھتا ہے کہ خدا کے آگے جھکے ہوئے سر بسجود ہیں اور خدا کا فضل اور خوشنودی طلب کر رہے ہیں۔

[2] (آلِ عمران: ۱۵۹) فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ج وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ ج اے محمدؐ خدا کی مہربانی سے تمھاری افتادِ مزاج ان لوگوں کے لیے نرم واقع ہوئی ہے۔ اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو تمھارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ تو ان کو معاف کر دو اور ان کے لیے خدا سے مغفرت مانگو اور اپنے کاموں میں ان سے مشورہ لیا کرو۔

در گلستاں با عنادل ہم صفیر　　　در بیاباں جرّہ بازِ صید گیر

زیرِ گردوں می نیاساید دِلش　　　بر فلک گیرد قرارِ آب و گِلش[1]

طائرش منقار بر اختر زند　　　آں سوے ایں کہنہ چنبر پر زند[2]

تو بہ پرواز ے پرے نکشودۂ　　　کرمک استی زیرِ خاک آسودۂ

خوار از مہجورئ قرآں شدی　　　شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شدی

اے چو شبنم بر زمیں افتندۂ　　　در بغل داری کتابِ زندۂ

تا کجا در خاک می گیری وطن؟

رخت بردار و سرِ گردوں فگن

---

1. ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں　　　ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
2. زشتر رستارہ جویم زستارہ آفتابے　　　سرِ منزلے ندارم کہ بمیرم از قرارے
ترى آگ اس خاکداں سے نہیں　　　جہاں تجھ سے ہے تو جہاں سے نہیں

★ وہ گلستاں میں بلبلوں کے ساتھ نغمہ سرائی کرتا ہے اور بیاباں میں بازو شاہین کی طرح شکار پر ٹوٹتا ہے۔ (اور صید کا شکار کرتا ہے۔)

★ آسمان کے نیچے اس کے دل کو چین اور قرار نہیں ہوتا اور اس کی مشتِ خاک آسمان پر پرواز کر کے ہی چین پاتی ہے۔

★ اس کا طائرِ حیات ستاروں پر پہنچتا ہے۔ (ستاروں پر منقار مارتا ہے) اور آسمانِ پیر کی گنبد سے پرے گزر جاتا ہے۔ (اور افلاک کی فضاؤں میں پرواز کرتا ہے۔)[1]

★ افسوس کہ تو نے پرواز کے لیے اپنے بال و پر نہیں کھولے۔ لہٰذا میری نظر میں تو ایک حقیر کیڑا ہے جو خاک میں (خوابِ غفلت میں) پڑا ہے۔

★ چونکہ تو نے قرآن کو ترک کر دیا ہے لہٰذا تو ذلیل و خوار ہو گیا ہے اور گردشِ دوراں کی شکایت کرتا بیٹھتا ہے۔ (اپنے ادبار اور ذلت و خواری کے لیے آسمان کو ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔)

★ اے ہم نفس! تو شبنم کی طرح خاک پر پڑا ہوا ہے۔ تو یہ بھلا بیٹھا ہے کہ تیری بغل میں زندہ کتاب ہے۔ (قرآن مجید ہے جس نے کسی زمانے میں تجھے بامِ عروج پر پہنچا دیا تھا۔)

★ تو کب تک اس طرح خاک میں پڑا رہے گا۔ (خاک کو اپنا وطن بنائے رہے گا۔) رختِ سفر باندھ (تسخیرِ کائنات کے عزم سے قدم بڑھا) اور گردوں پر پہنچ کر آرام لے۔ (اور رختِ سفر کھول۔)

---

[1] بڑھے جا یہ کوہِ گراں توڑ کر طلسمِ زمان و مکاں توڑ کر

ناوک ہے مسلماں ہدف اس کا ہے ثریا ہے سرِ سراپردۂ جاں نکتۂ معراج

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب ہم نے دشتِ امکاں کو ایک نقشِ پا پایا (غالبؔ)

عرضِ حالِ مصنّف بحضورِ رحمۃ للعالمین[2]

اے ظہورِ تو شبابِ زندگی ۔۔۔ جلوہ ات تعبیرِ خوابِ زندگی[1]

اے زمیں از بارگاہت ارجمند ۔۔۔ آسماں از بوسۂ بامت بلند

شش جہت روشن ز تابِ روئے تو ۔۔۔ ترک و تاجیک و عرب ہندوئے تو[2]

از تو بالا پایۂ ایں کائنات ۔۔۔ فقرِ تو سرمایۂ ایں کائنات

در جہاں شمعِ حیات افروختی ۔۔۔ بندگاں را خواجگی آموختی

بے تو از نابودمندیہا خجل ۔۔۔ پیکرانِ ایں سرائے آب و گِل

تا دمِ تو آتشے از گِل کشود ۔۔۔ تودہ ہائے خاک را آدم نمود

ذرّہ دامنگیرِ مہر و ماہ شد ۔۔۔ یعنی از نیروئے خویش آگاہ شد

---

[1] اِس سے قبل سورۂ مائدہ آیت ۳ کا ذکر ہو چکا ہے جس کا مفہوم ہے : آج میں نے تم کو تمہارا پورا دین دے دیا ہے اور اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے دینِ اسلام کو پسند کیا ہے۔

[2] (سورۂ سبا : آیت ۲۸) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

اور اے محمدؐ ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لیے خوشخبری سُنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (سورۂ الاعراف آیت ۱۵۸ میں بھی اسی خیال کو پیش کیا گیا ہے۔)

عرضِ حالِ مُصنّف بحضور رحمۃ للعالمینؐ

★ اے رحمتِ عالم دنیا میں آپؐ کے ظہور سے زندگی میں بہار آگئی۔ آپؐ کا جلوہ زندگی کے خواب کی تعبیر ہے۔

★ آپؐ کی بارگاہ سے زمین کو سربلندی حاصل ہوئی ہے۔ آپؐ کے بام کو بوسہ دینے کی وجہ سے آسمان کو عظمت و رفعت حاصل ہوئی۔

★ آپؐ کے رُخِ پرنور کی روشنی سے ساری کائنات روشن ہے۔ ترک، تاجیک اور عرب سب ہی آپؐ کے غلام ہیں۔

★ آپؐ کے سبب کائنات کو بلند مرتبہ حاصل ہوا۔ آپؐ کا فقر کائنات کا سرمایہ ہے۔ آپؐ کا فقر یعنی آپؐ کی پاکیزہ سیرت اور بے نیاز زندگی دنیا کے لیے نمونہ ہے۔ (انھیں اپنا کر ہی انسانیت ارجمند بن سکتی ہے)

★ دنیا میں آپؐ نے شمعِ حیات روشن کی اور بندوں کو خواجگی اور آقائی کا درس دیا۔ (جس کی وجہ سے دنیا میں ایک نئے انقلاب، نئے نظامِ حیات اور نئی تہذیب و تمدن کا آغاز ہوا۔)

★ آپؐ کے بغیر اس جہانِ آب و گِل کے تمام پیکر اپنی پستی، احساسِ خواری اور ناچیزی کی وجہ سے شرمسار تھے ..... گویا انسان نہ تھے بلکہ چلتے پھرتے خاک کے تودے تھے۔

★ لیکن جب آپؐ کے نفسِ گرم سے آب و گِل میں آگ اور حرارت پیدا ہوئی تو یہی خاک کے تودے خوددار اور باوقار انسان بن گئے۔

★ اور پھر یہی ذرّہ (انسان) مہر و ماہ کا دامن چاک کرنے لگا۔ اپنی پوشیدہ قوّتوں سے باخبر ہونے لگا اور تسخیرِ کائنات کے عزم سے (وسخر لکم ما فی السّمٰوٰتِ والارض کے پیشِ نظر) ستاروں پر کمندیں ڈالنے لگا۔[1]

---

[1] عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں — کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے

فقرِ مومن چیست؟ تسخیرِ جہات — بندہ از تاثیرِ او مولا صفات

تا مرا افتاد بر رویت نظر — از اب و ام گشتۂ محبوب تر

عشق در من آتشے افروخت است — فرصتش بادا کہ جانم سوخت است

نالہ مانندِ نے سامانِ من — آن چراغِ خانۂ ویرانِ من

از غمِ پنہان نگفتن مشکل است — بادہ در مینا نہفتن مشکل است

مسلم از سرِّ نبیؐ بیگانہ شد — باز ایں بیت الحرم بتخانہ شد[1]

از منات و لات و عزّیٰ و ہبل — ہر یکے دارد بُتے اندر بغل

شیخِ ما از برہمن کافر تر است — زانکہ او را سومنات اندر سر است

رختِ ہستی از عرب برچیدۂ — در خمستانِ عجم خوابیدۂ

---

[1] تمدن، تصوف، شریعت، کلام — بتانِ عجم کے پجاری تمام

حقیقت خرافات میں کھو گئی — یہ امت روایات میں کھو گئی

لبھاتا ہے دل کو کلامِ خطیب — مگر لذتِ شوق سے بے نصیب

وہ صوفی کہ تھا خدمتِ حق میں مرد — محبت میں یکتا حمیت میں فرد

عجم کے خیالات میں کھو گیا — یہ سالک مقامات میں کھو گیا

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے

مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

★ جب سے میری نظر آپ کے روئے انور پر پڑی آپ میری نظر میں اپنے ماں باپ سے بھی زیادہ محبوب اور عزیز بن گئے ہیں۔[1]

★ عشق نے میرے سینے میں اِک آگ روشن کر دی ہے۔ خدا اسے سلامت رکھے کہ اس نے میری جاں کو پُر سوز کر دیا ہے۔ (جلا دیا ہے۔)

★ اب نے (بانسری) کی طرح میرا پُر سوز نالہ ہی میرا سرمایہ (سازوسامان) ہے۔ وہی میرے ویران گھر کا چراغ ہے۔ (میرا نالہ ہی میرے اُجڑے گھر کا چراغ ہے۔)

★ اپنے پوشیدہ غم کو چھپانا (اور اس کے بارے میں ذکر نہ کرنا) نہایت ہی مشکل کام ہے۔ جی ہاں! بلوریں جام میں شراب کا چھپانا مشکل ہے۔[2]

★ افسوس کہ مسلمان "نبیؐ کے راز" سے بیگانہ اور بے خبر ہو گیا ہے۔ جس کی وجہ سے خانۂ کعبہ (بیت اللہ) پھر سے بُت خانہ بن گیا ہے۔[3]

★ اور اب یہ حال ہے کہ ہم میں سے ہر فرد لات و منات اور عُزّیٰ و ہبل جیسے بتوں کو اپنی بغل میں دبائے پھر رہا ہے۔

★ اور ہمارا پیشوا تو برہمن سے بھی زیادہ کافر بنا ہوا ہے کیونکہ اس نے اپنے سر میں سومنات کو بٹھا رکھا ہے۔ (ملاّ اور واعظین فرقہ بندیوں کا شکار ہیں اور ہر ایک نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا لی ہے۔)

★ اس نے ہستی کا سازوسامان تو عرب سے حاصل کیا اور عجم کے میکدے میں جا کر سو گیا۔ (اسلام غیر اسلامی افکار و روایات کے رنگ میں ڈوب گیا۔)

---

[1] حدیث شریف: حضورؐ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص صاحبِ ایمان نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والدین، اولاد اور تمام انسانوں سے محبوب تر نہ ہو جاؤں۔

[2] انسانیت اور ملت کی زبوں حالی پر میرا دل غم سے معمور ہے اور میں فریاد پر مجبور ہوں۔

[3] مسلمان حضورؐ کی تعلیمات سے بے خبر ہو چکا ہے جس کے نتیجے میں وہ اپنا مقام و مرکز کھو چکا ہے۔

شل ز برفاب عجم اعضائے او   سرد تر از اشکِ او صہبائے او

ہمچو کافر از اجل ترسندۂ   سینہ اش فارغ ز قلب زندۂ[1]

نعشش از پیشِ طبیبان بردہ ام   در حضورِ مصطفٰی آوردہ ام

مردہ بود از آبِ حیواں گفتمش   سرّے از اسرارِ قرآں گفتمش

داستانے گفتم از یارانِ نجد   نکہتے آوردم از بستانِ نجد

محفل از شمعِ نوا افروختم   قوم را رمزِ حیات آموختم

گفت برما بندد افسونِ فرنگ   ہست غوغایش ز قانونِ فرنگ

اے بصیری را ردا بخشندۂ   بربطِ سلما مرا بخشندۂ

ذوقِ حق دہ ایں خطا اندیش را   اینکہ نشناسد متاعِ خویش را

گر دلم آئینۂ بے جوہر است   ور بحرفم غیرِ قرآں مضمر است

---

[1] اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَيْہِمْ وَلَا ہُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

جو اللہ کے دوست ہوتے ہیں ان پر نہ تو کوئی خوف طاری ہوتا ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔

★ عجم کی برفانی فضا (اور پانی) نے اس کے اعضا کو شل کر دیا ہے اور اس کی شراب اس کے اشکوں سے زیادہ سرد (اور منجمد) ہے۔

★ آج کا مسلمان کافر کی طرح موت سے ڈرتا ہے۔ اس کا سینہ "قلب زندہ" سے محروم ہے۔ (چونکہ اس کے سینے میں زندہ دل نہیں رہا وہ مردہ دل ہو چکا ہے اس لیے موت سے خوف کھاتا ہے[1])

★ میں اس مُردہ دل انسان کی لاش کو طبیبوں کے پاس سے اٹھا کر سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کے حضور لایا ہوں۔

★ چونکہ وہ لاش بن چکا تھا لہٰذا میں نے آبِ حیات کا ذکر کیا۔ اس کا پتا بتایا۔ اس کے سامنے قرآن کے اسرار و رموز بھی پیش کیے۔ تاکہ اس کے سینے میں حرارت پیدا ہو اور اس کا دل زندہ ہو جائے۔

★ میں نے یارانِ نجد میں سے بعض کی حکایتیں بھی بیان کیں اور نجد کے بوستان کی خوشبو بھی اس کے مشامِ جاں کے لیے پیش کی تاکہ وہ بیدار ہو جائے۔

★ میں نے اس کی محفل میں (اپنی مردہ قوم کی محفل میں) اپنے نغموں کی شمعیں روشن اور اپنی قوم کو اسرارِ حیات سے آشنا کرنے کی کوشش کی۔

★ لیکن میری قوم مجھ سے بدظن ہو گئی اور اس نے یہ اتہام لگایا کہ اقبال ہم پر فرنگ کا افسوں پھونک رہا ہے اور سازِ فرنگ کے نغموں سے ہمیں مسحور کر رہا ہے[2]۔

★ اے مولائے دوجہاں آپ نے قصیدہ بردہ نظم کرنے پر بوصیری کو خواب میں چادر مبارک مرحمت فرمائی اور مجھ فقیر کو بربطِ سلمیٰ سے سرفراز فرمایا تاکہ میں اپنی قوم کو اسلامی ترانے سناؤں۔

★ اے مولا! اس غلط اندیش اور کج فہم قوم کو "ذوقِ حق شناسی" عطا کیجیے۔ وہ اپنی متاعِ گراں مایہ کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ اسے صحیح نظر عطا کیجیے تاکہ اصل حقیقت کو پہچانے۔

★ اور اگر خدانخواستہ میرا دل ایسا آئینہ ہے جس میں حقیقی جوہر نہیں ہے اور میرا کلام قرآنی حقائق کے علاوہ کسی اور شے سے ملوث ہے (جیسا کہ مجھ پر الزام لگایا جاتا ہے) تو ....

---

[1] ہر کہ رمزِ مصطفیٰؐ فہمیدہ است　　　شرک را خوف مضمر دیدہ است

[2] اس کی تعلیم اسلامی نہیں بلکہ مغربی ہے۔

اے فروغت صبحِ اعصار و دہور
چشمِ تو بینندۂ مَا فِی الصُّدُور

پردۂ ناموسِ فکرم چاک کن
این خیابان را ز خارم پاک کن

تنگ کن رختِ حیات اندر برم
اہلِ ملت را نگہدار از شرم

سبز کشتِ نابسامانم مکن
بہرہ گیر از ابرِ نیسانم مکن

خشک گردان بادہ در انگورِ من
زہر ریزا اندر مئے کافورِ من

روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا
بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا

گر دُرِ اسرارِ قرآں سفتہ ام
با مسلمانان اگر حق گفتہ ام

اے کہ از احسانِ تو ناکس کس است
یک دعایت مزدِ گفتارم بس است

عرض کن پیشِ خدائے عزّوجل
عشقِ من گردد ہم آغوشِ عمل

دولتِ جانِ حزیں بخشندۂ
بہرہ از علمِ دین بخشندۂ

در عمل پایندہ تر گرداں مرا
آبِ نیسانم گہر گرداں مرا

★ اے رحمتِ عالم! آپ کے نور سے زمانوں اور قرنوں کی صبحیں روشن ہوتی ہیں۔ آپ کی چشمِ پاک سینوں میں چھپی ہوئی باتیں دیکھ لیتی ہیں۔ لہٰذا میرے دل کی حقیقت آپ پر روشن ہے۔

★ اگر میرے افکار میں کوئی کھوٹ ہو تو میری فکر کی آبرو کے پردے کو چاک کر ڈالیے اور اور اس باغ کی کیاری کو میرے کانٹوں سے پاک کر ڈالیے۔

★ مجھ پر عرصۂ حیات تنگ کر ڈالیے (میری زندگی کے ملبوس کو چاک کر ڈالیے) اور اہلِ ملت کو میرے فتنہ و شر سے بچا لیجیے۔

★ میری بے سروساماں کھیتی کو سبز نہ ہونے دیجیے، اور اپنے ابرِ بہار سے اس کی مٹی کو تر نہ ہونے دیجیے۔

★ میری تاک (انگور کی بیل' میرے کلام) کے انگور کے دانوں میں شراب کو خشک کر دیجیے اور میری کافوری شراب میں زہر انڈیل دیجیے۔ (میرے کلام کو خشک اور نامطبوع بنا دیجیے۔

★ اور حشر کے دن مجھے ذلیل اور رسوا ہونے دیجیے اور اپنے مقدس پاؤں کی قدمبوسی سے بھی مجھے محروم کر دیجیے۔

★ لیکن اگر میں نے صرف قرآن کے جواہر پارے (اپنے کلام میں) رولے ہیں اور مسلمانوں کے سامنے حق باتیں پیش کی ہیں،

★ تو اے میرے آقا! آپ کے احسان سے نااہل بھی اہل اور ادنیٰ انسان اعلیٰ بن جاتے ہیں تو میرے حق میں آپ کی ایک دُعا بھی میری سخنوری کا بہترین صلہ ہے۔

★ میرے حق میں خدائے عزّوجل کے حضور عرض کیجیے کہ میرا عشق عمل سے ہم آغوش ہو جائے۔

★ اے خدا! تو نے مجھے ایک دردمند جان کی دولت عطا کی ہے اور علمِ دین کے سرمایہ سے بھی سرفراز فرمایا ہے۔

★ اے پروردگار! مجھے عمل کی پائندگی عطا فرما اور میرے افکار کے آبِ نیساں کو موتیوں میں ڈھال دے۔

رخت جاں تا در جہاں آوردہ ام
آرزوئے دیگرے پروردہ ام

ہمچو دل در سینہ ام آسودہ است
محرم از صبحِ حیاتم بودہ است

از پدر تا نامِ تو آموختم
آتشِ ایں آرزو افروختم

تا فلک دیرینہ تر سازد مرا
در قمارِ زندگی بازد مرا

آرزوئے من جواں تر می شود
ایں کہن صہبا گراں تر می شود

ایں تمنّا زیرِ خاکم گوہر است
در شبم تاب ہمیں یک اختر است

مدّتے با لالہ رویاں ساختم
عشق با مرغولہ مویاں باختم

بادہ ہا با ماہ سیمایاں زدم
بر چراغِ عافیت داماں زدم

برقہا رقصید گردِ حاصلم
رہزناں بردند کالائے دِلم

ایں شراب از شیشۂ جانم نہ ریخت
ایں زرِ سارا ز دامانم نہ ریخت

عقلِ آزر پیشہ ام زنّار بست
نقشِ او در کشورِ جانم نشست

سالہا بودم گرفتارِ شکے
از دماغِ خشکِ من لاینفکے

★ جب سے میں نے "خت جاں" اس دنیا میں لایا ہے۔ یعنی جب سے میں اس دنیا میں پیدا ہوا ہوں میں نے اپنے سینے میں ایک آرزو کو پروان چڑھا رکھا ہے۔

★ وہ میرے سینے میں میرے دل کی طرح متمکن ہے، اور میرے بچپن (صبح حیات) سے میری محرم و ہمراز ہے۔

★ اور وہ یہ ہے کہ جب سے میں نے اپنے والدِ محترم کی زبان سے آپ کا نامِ پاک سُنا ہے اس وقت سے اس آرزو کی آگ میں نے اپنے سینے میں روشن کی ہے۔

★ اور جوں جوں آسمان میری عمر کو بڑھاتا رہا ہے اور دنیا کی بازی گاہ میں میری زندگی کی بازی لگاتا رہا ہے۔

★ توں توں یہ آرزو جوان تر ہوتی گئی اور یہ پرانی شراب اور زیادہ جاں نواز اور بیش قیمت ہوتی گئی۔

★ میری مشتِ خاک میں (میرے سینے کی صدف میں) یہ تمنا ایک گوہر کے مانند ہے۔ یہ تمنا میری راتوں میں ستارے کی طرح جگمگاتی ہے۔ (اسی تمنا میں راتیں کاٹ دیتا ہوں)

★ ایک عرصے تک میں نے لالہ رُخوں کی دوستی اختیار کی اور پُر پیچ زلفوں والی محبوباؤں (شاہدانِ زلفِ پُرخم) سے عشق بھی کیا۔

★ میں نے مہ جبینوں کی محفلوں میں بادہ کشی بھی کی اور چراغِ عافیت کو دامن کی ہوا بھی دی۔ (اور متاعِ دین و دانش کو لٹایا بھی)

★ میرے خرمنِ حیات، میرے جواں دِل پر بجلیاں بھی لوٹیں اور حسین غارتگروں نے میری متاعِ دل کو بھی خوب لوٹا۔

★ بایں ہمہ میری جان کی صراحی سے (عشقِ رسولؐ) کی یہ شراب کبھی نہیں چھلکی اور یہ زرِ خالص میرے دامنِ دل سے کبھی جدا نہیں ہوا۔

★ آزر پیشہ عقل نے (جو آزر کی طرح بت گر اور بت پرست ہے) میرے گلے میں زُنّار ڈال دی اور ایک عرصے تک اس کا سکہ میری جان کی مملکت میں چلتا رہا۔

★ ایک عرصے تک میں شک و شبہ (وہم و گمان اور تخمین و ظن) میں مبتلا رہا، جو میرے خشک دماغ کا ایک اٹوٹ حصہ بن گیا۔

حرفے از علم الیقیں نا خواندۂ در گماں آبادِ حکمت ماندۂ

ظلمتم از تابِ حق بیگانہ بود شامم از نورِ شفق بیگانہ بود

ایں تمنّا در دلم خوابیدہ ماند در صدف مثلِ گہر پوشیدہ ماند

آخر از پیمانۂ چشمم چکید در ضمیرِ من نواہا آفرید

اے زیادِ غیر تو جانم تہی بر لبش آرم اگر فرماں دہی

زندگی را از عمل ساماں نبود پس مرا ایں آرزو شایاں نبود

شرم از اظہارِ او آید مرا شفقتِ تو جرأت افزاید مرا

ہست شانِ رحمتِ گیتی نواز آرزو دارم کہ میرم در حجاز

مسلمے از ما سوا بیگانۂ تا کجا زناریِ بت خانۂ

حیف چوں او را سر آید روزگار پیکرش را دیر گیرد در کنار

★ میں نے علم یقین کا ایک حرف بھی نہیں پڑھا تھا اور میں فلسفہ کی دنیا میں کھویا رہا۔ جہاں شک و شبہ اور وہم و گمان کے سوا کچھ حاصل نہیں تھا۔

★ میری عقل کی ظلمت، حق کی روشنی سے محروم رہی اور میری شام شفق کے نور سے بیگانہ رہی۔

★ ایسے زمانے میں بھی یہ تمنا میرے دِل میں سوتی پڑی رہی۔ جس طرح سیپ کے سینے میں موتی پڑا رہتا ہے۔

★ آخر وہ وقت آیا کہ یہ تمنا میری آنکھوں کے پیمانوں سے اشک بن کر ٹپک پڑی اور میرے ضمیر (میرے دل) کی دنیا میں نغمے پیدا کر دیے۔

★ اے رحمتِ عالم! میری جان میں صرف آپ کی یاد بسی ہوئی ہے۔ (اس کے علاوہ وہ ہر یاد سے خالی ہے) اگر آپ اجازت دیں تو میں حرفِ آرزو زبان پر لاؤں۔

★ چونکہ میری زندگی میں عمل کا سر و سامان نہ تھا۔ (عمل سے یکسر بیگانہ تھی) اس لیے میں اپنے آپ کو اس آرزو کے قابل نہیں سمجھتا تھا۔

★ لہٰذا اس کے اظہار سے مجھے شرم آتی ہے۔ بایں ہمہ آپ کی شفقت میرا حوصلہ بڑھاتی ہے کہ میں لب کشائی کی جرأت کروں۔

★ آپ کی رحمت کا یہ عالم ہے کہ ساری دنیا اس کی نوازشوں سے مستفید ہوتی ہے۔ لہٰذا میری آرزو یہی ہے کہ سرزمینِ حجاز میں مجھے موت نصیب ہو۔

★ ایک مسلمان جو ماسوا سے بیگانہ ہے۔ (جو اللہ کے سوا ہر شے ترک کر چکا ہے) وہ کب تک بت خانے میں زناری بن کر بیٹھا رہے گا۔

★ یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ اس کی زندگی کے خاتمے پر (اس کی وفات کے بعد) اس کا جسدِ خاکی کسی بت خانے کے پہلو میں مدفون ہو۔

از درت خیزد اگر اجزائے من	وائے امروزم خوشا فردائے من
فرخا شہرے کہ تو بودی دراں	اے خنک خاکے کہ آسودی دراں
"مسکنِ یار است و شہرِ شاہِ من	پیشِ عاشق ایں بود حبّ الوطن"
کوکبم را دیدۂ بیدار بخش	مرقدے در سایۂ دیوار بخش
تا بیاساید دلِ بیتابِ من	بستگی پیدا کند سیمابِ من

با فلک گویم کہ آرامم نگر

دیدۂ آغازم انجامم نگر

★ اس کے برعکس اگر حشر کے دن میری مشتِ خاک آپ کے آستانے سے اُٹھتی ہے تو میری فردا کی خوش نصیبی پر آفریں اور میرے امروز پر افسوس کہ امروز میں آپ سے دور ہوں۔

★ کتنا خوش بخت ہے وہ شہر جو آپ کا مسکن تھا اور کتنی خوش نصیب ہے وہ خاک، جہاں آپ کا مدفن ہے۔ (جہاں آپ آرام فرما رہے ہیں)

★ جو ہمارے یار کا مسکن اور ہمارے بادشاہ کا شہر ہے وہی دراصل ہم جیسے عشاق کا وطن ہے اور اس سے محبت ہماری حب الوطنی ہے۔

★ میرے بختِ خفتہ کے ستارے کو، میرے سوئے ہوئے مقدر کو بیدار کر دیجیے اور گنبدِ خضرا کے سائے میں میری قبر کو جگہ عطا فرمائیے۔

★ تاکہ میرے دلِ بے قرار کو قرار حاصل ہو اور میری سیمابی کیفیت (میری بے چینیوں) کو سکون اور چین نصیب ہو۔

★ اور میں بڑے فخر و ناز سے آسمان سے کہوں کہ میرے آرام کدے کو دیکھ! تو نے میرا آغاز دیکھا تھا، اب انجام بھی دیکھ!

شیخ غلام دستگیر شہاب

پیدائش: ۱۹۱۵ء ویجاپور، ضلع اورنگ آباد

وفات: ۱۶ ستمبر ۱۹۸۹ء پونہ

تعلیم: مدرسۂ عثمانیہ، ایولہ ضلع ناسک۔

اینگلو اردو اردو ہائی اسکول، پونہ

واڈیا کالج پونہ۔

خدمات: مدرس گرودڑ ہائی اسکول، دھولیہ۔

واڈیا کالج پونہ۔ صدر شعبۂ اردو، فارسی

پونہ یونیورسٹی۔ ریسرچ گائیڈ پونہ یونیورسٹی۔

چیرمن اردو لسانی کمیٹی، بال بھارتی پونہ

تصانیف: دو شہروں کی کہانی۔ بادۂ خیام

(منظوم ترجمہ)۔ ٹھور سنگیت کار (ترجمہ)

ترجمانِ اسرارِ خودی (تفہیمی ترجمہ)

زیرِ ترتیب: لالۂ طور (منظوم ترجمہ) یک بابی اردو

ڈرامے۔ فکرِ شہاب (غزلیات)، بچوں کی

نظمیں۔